فروری
۲۰۱۱ء

اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

مدیر: ڈاکٹر محمد امین

ماہنامہ البرہان

جلد ۱۸، شمارہ ۲ فروری ۲۰۱۱ء/ ربیع الاوّل ۱۴۳۲ھ

مشمولات

عالم اسلام میں بیداری کی لہر — ادارہ — ۲

پاکستان میں اسلامی تبدیلی کا خواب — ۳

فرقہ واریت کا ایک بڑا سبب — ۴

O حرمت رسول اور قانون توہین رسالت

توہین رسالت اور قرآن حکیم — ڈاکٹر محمد طاہر مصطفیٰ — ۵

قانون توہین رسالت: مغربی ذہن کے اعتراضات اوران کے جوابات — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۱۲

توہین رسالت: احادیث کی روشنی میں — ڈاکٹر حافظ حسن مدنی — ۲۴

توہین رسالت: کیا اسلام قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت دیتا ہے؟ — مدیر — ۳۷

توہین رسالت: قانون کے غلط استعمال کا پروپیگنڈا — ۴۲

تحریک حرمت رسول: کامیابی کے بعد ... — ادارہ — ۴۵

قانون توہین رسالت کی مخالفت — ۴۶

تحریک حرمت رسولؐ کا فراموش شدہ ہیرو — ۴۷

تعارف کتاب: ناموسِ رسولؐ اور قانون توہین رسالت — ۴۸

O ربیع الاوّل کا پیغام

اتباع رسولؐ: ایمان بالرسالت کا لازمی نتیجہ — علامہ احمد جاوید — ۴۹

O تفہیم مغرب

مسلم ترقی کے لیے سائنس وٹیکنالوجی غیر اہم ہے — ڈاکٹر نعمان ندوی — ۵۴

عالم اسلام میں بیداری کی لہر

تیونس اور مصر میں امریکہ و یورپ کی مدد سے قائم آمریتوں کے تختے عوام نے الٹ دیئے ہیں۔ لیبیا، بحرین، یمن اور الجزائر میں ہنگامے جاری ہیں اور کئی دیگر عرب و افریقی ممالک میں سیاسی بے چینی کے آثار نمایاں ہیں۔۔۔لیکن اس سے بظاہر کوئی بڑا مقصد حاصل نہیں ہوسکا کیونکہ ان عوامی کوششوں سے صرف چہرے بدلے ہیں نظام نہیں بدلا۔ امریکہ و یورپ نے مسلم ممالک میں بڑے گہرے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ وہی وہاں کے حقیقی حکمران، حکمران ساز (کنگ میکر) اور پالیسی ساز ہیں اور مسلم حکمران محض ان کے ایجنٹ اور طفیلیے ہیں۔ ان کی خواہش یہ ہے کہ مسلمانوں کو دین سے دور کریں اور انہیں مغربی فکر وتہذیب کا خوگر بنائیں۔ ان کی کوشش یہ بھی ہے کہ مسلم عوام کو سیاسی حقوق نہ ملیں، دینی قوتوں کو دبا کر رکھا جائے، انہیں کام کے مواقع نہ دیے جائیں اور انہیں مؤثر نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ اتنی قربانیوں کے باوجود تیونس میں بھاگنے والے صدر جیسے لوگ ہی برسر اقتدار ہیں اور مصر میں بھی فوج نے ہی اقتدار سنبھالا ہے جس کا مزاج سیکولر بھی ہے اور غیر جمہوری بھی اور وہ امریکہ و یورپ ہی کے زیر اثر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کوششوں سے صحیح رُخ میں کام کا محض آغاز ہوا ہے اور مسلم عوام نے اپنے لیے محض سانس لینے کی گنجائش پیدا کی ہے۔ اہل مغرب تو ظاہر ہے اسلام اور مسلم دشمنی سے باز نہیں آئیں گے اور عالم اسلام کو کمزور کرنے اور رکھنے کے ہدف سے نہیں ہٹیں گے لہٰذا سیاسی اور معاشی آزادی کے ہدف کی طرف بڑھنے کے لیے مسلم عوام کو ابھی مزید اور مسلسل جدوجہد کرنا ہوگی۔ ہم ان سے عرض کریں گے کہ وہ خود کو منظم کریں اور نفاذ شریعت اور عوامی مسائل کے حل کے لیے اقتدار میں آنے کا انتظار نہ کریں بلکہ جدوجہد کی جتنی گنجائش ملے یہ کام ابھی سے شروع کردیں اور اسی کو اپنے

مستقبل کے لائحہ عمل کی اساس بنائیں۔

پاکستان میں اسلامی تبدیلی کا خواب

نئی حکمت عملی کی ضرورت

عرب ممالک میں سیاسی بیداری کی لہر کے ساتھ یہ تبصرے بھی ہونے لگے ہیں کہ کیا تیونس اور مصر جیسا انقلاب پاکستان میں بھی آ سکتا ہے؟ عرب ممالک میں عوام کے متحرک ہونے کے تین نمایاں اسباب تھے: ا۔ سیاسی گھٹن ۲۔ معاشی ابتری اور ۳۔مغربی فکر وتہذیب کو حکومتی قوت سے عوام پر ٹھونسنا۔ پاکستان میں سیاسی گھٹن بھی نہیں ہے اور اسلام کے مقابلے میں مغربی فکر وتہذیب کا نفاذ بھی اس غیر محسوس انداز میں کیا جارہا ہے کہ عوام اس کو قبول کر رہے ہیں، اس کے خلاف احتجاج نہیں کر رہے۔ معاشی بدحالی البتہ خطرناک حدوں کو چھو رہی ہے تاہم کسی تحریک یا انقلاب کا امکان فوری طور پر نظر نہیں آتا۔ اس کے ہماری نظر میں دو بڑے سبب ہیں۔ایک: بڑی سیاسی جماعتیں اور فوج امریکہ کی مٹھی میں ہے۔ دوسرے: دینی جماعتیں ابھی تک ملک میں رائج مغربی جمہوریت سے (جو برائے نام اسلامی ہے) ابھی تک مایوس نہیں ہوئیں، وہ اس جمہوری کھیل میں ابھی شریک رہنا چاہتی ہیں اور پُر امید ہیں اور انہوں نے مایوس ہوکر متبادل پروگرام پر ابھی تک غور شروع نہیں کیا۔ ان حالات میں جب فوج اور سیاسی و دینی قوتیں موجودہ نظام سے بیزار و مایوس ہی نہیں ہوئیں ،تو ملک میں سیاسی تحریک کون چلائے گا اور عوام کو منظم کون کرے گا؟

ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دینی قوتوں میں سے مخلص عناصر کو موجودہ جمہوری سیٹ اپ سے اب مایوس ہوجانا چاہیے اور معاشرے میں نفاذ شریعت کی کسی متبادل حکمت عملی پر غور کرنا چاہیے۔ متبادل حکمت عملی ہمارے ذہن میں بالکل واضح ہے اور ہم ان شاء اللہ البرہان کے کسی آئندہ شمارے میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔ خلاصہ ہماری رائے کا یہ ہے کہ’’ نفاذ شریعت بذریعہ اقتدار،

سیاسی جدوجہد اور قانون سازی'' کا منہج چھوڑ کر'' احکام شریعت پر عمل بذریعہ اصلاح فرد و معاشرہ اور سماجی تبدیلی'' کا منہج اختیار کیا جائے۔

فرقہ واریت کے فروغ کا ایک بڑا سبب

البرہان چونکہ وحدت امت اور اتحاد بین العلماء کا علمبردار ہے اس لیے ہم اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر ان سطور میں روشنی ڈالتے رہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک علماء اور دینی عناصر میں انتشار بڑھانے کے عوامل میں سرفہرست مغربی ممالک اور پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کی کاروائیاں ہیں جو اپنے آقایان ولی نعمت کے اشارے پر علماء میں پھوٹ ڈالنے اور انہیں باہم لڑانے کے لیے مختلف النوع اقدامات کرتی رہتی ہیں۔ دوسرے نمبر پر وہ حکومتی اقدامات اور پالیسیاں ہیں جن سے اصل مقصود دینی عناصر کو باہم لڑانا اور کمزور کرنا ہوتا ہے جیسے مسلک کی بنیاد پر دینی سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کی اجازت دینا اور دینی تعلیم کے وفاقوں اور مساجد و مدارس کی مسلک کی اساس پر رجسٹریشن وغیرہ۔

ایک اور اہم معاملہ جس کی طرف ہم یہاں توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حکومتی ایجنسیوں نے ایسے متعدد اقدامات کیے ہیں جن سے دینی عناصر کی قیادت اہل علم کے ہاتھوں میں نہیں رہی اور اس کے برعکس ایسے لوگوں کے پاس چلی گئی ہے جن کا دینی علوم میں رسوخ بھی مشکوک ہے اور زہد و تقویٰ کی حالت بھی پتلی ہے۔ جو لوگ دینی علوم میں رسوخ رکھتے ہیں ان کی زیادہ تر دلچسپی علمی مشاغل سے ہوتی ہے اور اہل تقویٰ کو نہ نام و نمود کی خواہش ہوتی ہے اور نہ لیڈر بننے کی تمنا۔ یہ تو معاشرے کی ضرورت اور فراست ہوتی ہے کہ وہ اہل علم اور اہل تقویٰ کو اپنا رہنما بناتا ہے لیکن جب واعظ اور کم علم لوگ فرقہ وارانہ موضوعات پر جذباتی اور لچھے دار تقریریں کر کے عوام کو بھڑکاتے ہیں اور ایجنسیوں کی پشت پناہی سے جماعتوں اور دھڑوں کی قیادت پر قبضہ کر لیتے ہیں تو وہ عامۃ الناس کے ذوق کو بھی بگاڑ دیتے ہیں یہاں تک کہ انہیں سادہ اور سنجیدہ گفتگو پسند نہیں آتی بلکہ دوسرے فرقوں پر طنز و تشنیع کے تیر برسانے والے، انہیں للکارنے والے اور ان کو مناظروں کا چیلنج دینے والے ہی انہیں اچھے لگنے لگتے ہیں۔

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام اور فہیم عناصر اس صورت حال کا ادراک کریں۔

سنجیدہ، گہرا علم رکھنے والے، متقی اور معتدل مزاج علماء کی قدر کریں اور ان کے پیچھے چلیں اور نعرے باز، سطحی علم رکھنے والے اور بڑھکیں مارنے والے فرقہ باز مولویوں سے بچیں۔

ڈاکٹر محمد طاہر مصطفیٰ ☆
ihsas786@gmail.com

توہین رسالت اور قرآن حکیم

قرآن حکیم ناموس رسالت کے حق میں تلاشِ دلیل اور تحقیق وجستجو کا پہلا بنیادی مآخذ ہے۔ جب اور جہاں کسی بھی پہلو سے ذکر رسول ہوگا وہاں اس پاک کلام کی تمام آیات کسی نہ کسی حوالے سے اوّلین شہادت ہوں گی۔

قاری محمد طیبؒ نے کیا خوب کہا ہے: قرآن میں لامحدود عجائبات علمی صورت میں اور ذات بابرکاتِ نبوی کی سیرت میں یہی عجائبات عملی صورت میں موجود ہیں۔ گویا ایک علمی قرآن ہے جو اوراق میں محفوظ ہے اور ایک عملی قرآن ہے جو ذاتِ نبوی میں محفوظ ہے اور دونوں ایک دوسرے پر من وعن منطبق ہیں۔ پس قرآن کا کہا ہوا نبی کریم ﷺ کا کیا ہوا ہے اور آپ ﷺ کا کیا ہوا قرآن کا کہا ہوا ہے اس لیے قرآن کریم کی ہزاروں آیتیں دراصل سیرت مقدسہ کے علمی تعارفی ابواب ہیں اور سیرت کے یہ ہزاروں گوشے قرآن کے عملی پہلو ہیں۔ پس قرآن میں جو چیز قال ہے وہی ذاتِ نبوی میں حال ہے اور جو قرآن میں نقوش ودال ہیں وہ ذاتِ اقدس ﷺ میں سیرت و اعمال ہیں[۱]۔ غرض قرآن کریم کی ہر آیت اور ہر لفظ کسی نہ کسی مقامِ نبوت کا مظہر اور بنیادی گواہی ہے

اور ان تمام لازوال سچائیوں پہ اُمّ المومنین عائشہؓ کا یہ قول ہمارے لیے برہان اور حجت ہے کہ 'کان خلقه القرآن'[۲]۔ یعنی آپ ﷺ کا خلق (سیرت) قرآن ہی تو ہے۔

اور جہاں مقدمہ درپیش ہو ناموس اور تکریم رسالت مآب ﷺ کا تو قرآن کریم واضح اعلان کرتا ہے کہ اللہ رب العزت کے بعد اگر کائنات اور عالمین میں کسی کی عزت ہے تو وہ رسول اللہ

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامی فکر وتہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، CII جوہر ٹاؤن، لاہور

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے: ’یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِ□لَی الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ‘ [المنافقون 8:63]

کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے حالانکہ عزت تو اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی لیکن منافق جانتے نہیں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت، حرمت، توقیر اور تعظیم کا اعلان کرنے کے بعد کلامُ اللہ گواہی دیتا ہے:

’اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا‘ [الاحزاب 56:33]

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب درود و سلام بھیجا کرو۔

قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توقیر و تعظیم کا معاملہ اس قدر نازک رکھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لے کر پکارنے سے اجتناب کا حکم دیا گیا:

’لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ‘ [النور 63:24]

پیغمبر کو بلانے میں ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بے شک اللہ کو وہ لوگ معلوم ہیں جو تم میں سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں تو جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی آفت آ پڑے یا دردناک عذاب نازل ہو۔

نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کے آداب کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کریم حجرہ سے آواز دے کر پکارنے کی بجائے صبر اور انتظار کی ہدایت دے رہا ہے کہ یہ بارگاہ نبوی ہے:

’اِ□نَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ O وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِ□لَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ‘ [الحجرات 5,4:49]

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو مزید توقیر نبوی کی ہدایت کی گئی کہ:

’یٰاَ□یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ

بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ' [الحجرات 2:49]

اوراس کا اجر وثواب یہ بیان کیا گیا کہ:

'اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ' [الحجرات 3:49]

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہمیں کئی دن تک ثابت بن قیس بن شماسؓ نظر نہیں آئے۔ ایک دن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پریشان ہوگئے کہ ثابت بن قیس نظر نہیں آرہے۔ ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کے بارے میں پتہ کرتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں۔ تلاش کیا تو معلوم ہوا گھر میں افسردہ بیٹھے آنسو بہاتے رہتے ہیں۔ جا کر رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ غیر ارادی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باتیں کرتے ہوئے میری آواز اونچی ہو جایا کرتی تھی اور اب وحی آگئی ہے کہ نبی کی آواز سے اپنی آواز اونچی مت ہونے دیا کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارے کیے کرائے اعمال بھی ضائع ہو جائیں۔ اب مجھے ڈر لگا ہوا ہے کہ میرے تو سب اعمال ضائع ہو گئے اور میں دوزخی قرار نہ پا جاؤں جس پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تک پیغام بھیجا کہ بشارت ہو تم اہل دوزخ میں سے نہیں بلکہ اہل جنت میں سے ہو۔ (۳)

قرآن کریم میں توہین رسالت کی سزا

قرآن کریم نے جہاں احترام نبوی کے بارے میں اس قدر نازک اور حساس تعلیمات دی ہیں وہیں پر سوئے ادبِ نبوی پر کلام اللہ خاموش نہیں رہا اور کسی ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات پر قرآن حکیم نے واضح انداز میں اعلان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اللہ رب العزت کی مخالفت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین عذاب کا باعث ہے اور یہ عذاب دنیاوی بھی ہو سکتے ہیں اور اخروی بھی ۔کلام اللہ میں مختلف مقامات پر ارشاد ہے:

'وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا' [النساء 115:4]

اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے پر چلے تو جس طرف وہ چلتا ہے ہم اسے اس طرف چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن)

جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔

’فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ‘

[الانعام 147:6]

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دیجیے تمہارا پروردگار بہت وسیع رحمت والا ہے مگر اس کا عذاب (آپ کی اہانت کرنے والے) مجرموں سے نہیں ٹلے گا۔

اس آیت مبارکہ میں واضح پیغام ہے کہ توہین رسالت کرنے والے یا نبی کو جھٹلانے والے یا آپ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے بعد میں اس خام خیالی میں نہ رہیں کہ اللہ معاف کرنے والا ہے یا وہ بڑا غفور اور رحیم ہے۔ یہاں اسی وہم کو دور کیا گیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ سب سے بڑا رحمن اور رحیم ہے اور اس کی رحمت اس کے قہر پہ غالب ہے لیکن (اے رسول آپ کی اہانت کرنے والے) مجرموں سے عذاب ہرگز نہیں ٹلے گا۔

’ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ‘ [الانفال 13:8]

یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ بھی سخت عذاب دینے والا ہے۔

’وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ‘

[التوبہ 61:9]

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو پیغمبر کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں آپ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے ایسے ہیں وہ اللہ اور مومنوں کی بات کا یقین رکھتے ہیں اور جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں ان کے لیے رحمت ہیں اور جو لوگ رسول اللہ کو اذیت دیتے ہیں ان کے لیے عذاب الیم ہے۔

’اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ‘

[التوبہ 63:9]

کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرتا ہے تو اس کے لیے جہنم کی آگ (تیار) ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا یہ بڑی رُسوائی ہے۔

'ذٰلِکَ جَزَآؤُھُمْ جَھَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَ رُسُلِیْ ھُزُوًا' [الکہف 106:18]

یہ ان کی سزا ہے یعنی جہنم اس لیے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور ہمارے پیغمبروں کی ہنسی اڑائی۔

'اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا' [الاحزاب 57:33]

جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

'اِ□ نَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ' [المجادلہ 20:58]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ نہایت ذلیل ہوں گے۔

'ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ مَنْ یُّشَآقِّ اللّٰہَ فَاِ□ نَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ' [الحشر 4:59]

یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اگر کسی کو وہم ہو کہ میرا توہین رسالت کا ارادہ نہیں تھا بلکہ یونہی مزاح میں ایک بات کہی تھی جس کو سنجیدہ لے لیا گیا تو جان لینا چاہیے یہ دربار رسالت ہے یہاں مذاق بھی نا قابلِ برداشت ہے اور اللہ رب العزت نے اسے کفر قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'وَ لَئِنْ سَاَلْتَھُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ وَ رَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَھْزِءُوْنَ' □ [التوبہ 65:9]

اور اگر آپ ان سے (اس بارے میں) دریافت کریں تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے کہہ دیجیے کیا تم اللہ اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی مذاق کرتے تھے؟

' لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَۃٍ مِّنْکُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَۃً بِاَنَّھُمْ کَانُوْا مُجْرِمِیْنَ' [التوبہ 66:9]

مندرجہ بالا قرآن حکیم کے متعدد حوالوں میں اذیت رسول کو اذیت الٰہی بھی قرار دیا گیا ہے اور اس کے لیے رُسوا کن عذاب کا اعلان ہے۔ عذاب الٰہی کی، جو کہ اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال کا مظہر ہے،

کئی قسمیں ہیں اور قرآن مجید میں تحقیق کے مطابق ۳۳۲ جگہ اس کا ذکر آیا ہے۔ مجرّد عذاب ۱۱۱ مرتبہ، عذاب الیم ۷۷ مرتبہ، عذاب شدید ۲۶ مرتبہ، عذاب مہین ۱۴ مرتبہ، عذاب عظیم ۱۴ مرتبہ، عذاب النار ۹ مرتبہ، عذاب جہنم ۷ مرتبہ، عذابُ اللہ ٦ مرتبہ، عذاب حریق، عذاب مقیم، عذاب الخزی پانچ پانچ مرتبہ، عذاب الآخرۃ ۸ مرتبہ، عذاب سعیر، عذاب غلیظ، عذاب یوم عظیم چار چار مرتبہ، عذاب الھون، عذاب الخلدتین تین مرتبہ، عذاب قریب، عذاب اکبر، عذاب نکرہ دو دو مرتبہ اور عذاب العذاب، عذاب فی الحیاۃ، عذاب غیر مُردود، عذاب ادنیٰ، عذاب حمیم، عذاب سعد، عذاب کبیر، عذاب المستقر اور عذاب السموم ایک ایک مرتبہ آیا ہے۔(۴)

مفردات امام راغب میں جو لغت القرآن پر انتہائی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے سخت دکھ اور تکلیف دینے کو عذاب کہا گیا ہے۔ عذاب ''عذب'' سے مشتق ہے عذب شیریں پانی کو کہتے ہیں۔ تعذیب ازالۃ العذب ہے اس لیے عذبتہ کے معنی ہیں ''میں نے اسے زندگی کی لذت اور مسرتوں سے دور یعنی محروم کردیا(۵)۔ قرآن مجید میں ہر اس تکلیف اور محرومی کو جو انسان کے مکافات عمل کا نتیجہ ہے اور ہر ایسی سزا کو جو فرد یا قوموں کو دنیا اور آخرت میں کسی جرم کی پاداش میں دی جائے عذاب کہا گیا ہے۔

عذاب کا اطلاق افراد پہ بھی ہوتا ہے اور قوموں پر بھی۔ قرآن کریم نے ان تباہ شدہ قوموں کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اپنی زندگی کی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ آخرکار وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ اللہ رب العزت اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کے بدلے میں آخرت میں دیے جانے والے عذابوں کی حقیقت تو اللہ رب العزت ہی بہتر جانتے ہیں مگر ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی عذابوں سے محفوظ نہیں رکھا گیا مثلاً ایسے لوگوں پر زوردار آندھی اور طوفان مسلط کیے گئے، پانی کا سیلاب بھیجا گیا، پتھروں کی بارش کی گئی، زلزلے بپا کیے گئے، قحط سالی سے ہمکنار کیا گیا اور ان پر طاعون جیسی آفتیں نازل کر کے ایسے لوگوں کو دنیا میں ہی نشان عبرت بنا دیا گیا آخرکار وہ لوگ ان عذابوں کے باعث ہی آخرت کے عذاب چکھنے کے لیے موت سے ہمکنار ہو گئے۔

واضح رہے کہ دنیا میں عذاب کی انتہائی صورت موت پر ہی منتج ہو سکتی ہے اور آخرت میں عذاب کی صورت واللہ اعلم کہ وہاں کتنی مرتبہ موت آئے گی اور کتنی مرتبہ زندگی پھر موت، پھر زندگی اور پھر موت۔

خام خیالی، کم فہمی، کم عقلی اور کم مائیگی ہوگی اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ عزرائیل کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی روح قبض کرنے کا کہا ہے اس عمل میں موت کا کہاں ذکر ہے۔قرآن کریم نے جان کے بدلے جان کا فیصلہ دیا ہے اس میں موت کا کہاں جواز نکلتا ہے۔اذیت رسول، اہانت رسول، مخالفت رسول کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا اور آخرت میں عذاب کی آیتوں پر بھی اگر کسی کی تشفی نہیں ہوتی تو وہ قرآن کریم کی ہی اس آیت میں دیے گئے فیصلے کا بھی مطالعہ کرلے:

'اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَ اَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ'　　[المائدہ 33:5]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کے دوڑتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سُولی پہ چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں یہ ان کی دنیا میں سزائے ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔

حوالہ جات

شمع جلتی رہے

البرہان محض ایک جریدہ نہیں ایک مشن ہے۔اگر آپ کو اس کے مضامین سے دلچسپی ہے تو کوشش کیجیے کہ یہ شمع جلتی رہے اور یہ شمع تبھی جلتی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے۔خود بھی البرہان کے خریدار بنئے اور دوسروں کو بھی بنائیے۔

زرِاعانت سالانہ 400روپے　تاحیات5000روپے　خصوصی تعاون10,000روپے

نام.. پتہ..

فون نمبر..

چیک بنام ارقم فاؤنڈیشن اور منی آرڈر بنام ایڈیٹر، 136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور بھجوائیے۔

۱۔ محمد طیب قاری، مقالہ ''سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول'' نقوش (رسول نمبر)، ادارہ فروغ اردو لاہور، پاکستان، شمارہ۔ ۱۳۰، ص ۳۹

۲۔ ابن سعد، ابوعبداللہ محمد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، لبنان، دار المعرفہ للطباعۃ والنشر، جلد ا، ص ۳۶۶

۳۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ (م ۴۳۶ھ) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، مصر، رقم ۳۰۶۰، ۴: ۱۷۰۱

۴۔ قریشی، محمد اسماعیل، ناموس رسالت اور قانون توہین رسالت، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور، پاکستان۔ ۱۹۹۹ء، ص ۹۱

۵۔ راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) المفردات فی غریب القرآن، مصطفیٰ حلبی، مصر ۱۳۸۱ھ۔ بعنوان عذاب۔

ڈاکٹر محمد امین

قانون توہین رسالت

مغربی ذہن کے اعتراضات اور ان کے جوابات

توہین رسالت کے حوالے سے پاکستان بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں اور ان کے اہل علم کی بہت بڑی اکثریت کا مؤقف یہ ہے کہ توہین رسالت کرنے والا مستحق سزائے موت ہے (اور اس کے مطابق پاکستان میں قانون بن چکا ہے) اور اگر حکومت غیر مسلم یا غیر اسلامی ہو اور اس قانون پر مؤثر عمل درآمد نہ کرے اور کوئی مسلمان توہین رسالت کے مرتکب کو دینی غیرت و جوش اور اشتعال میں آکر قتل کردے تو اس کا خون رائیگاں جاتا ہے یعنی قانونی لحاظ سے قتل کرنے والا قابل مواخذہ نہیں ہوتا اور عدالت کو اسے رہا کر دینا چاہیے بلکہ ایسا کرنے والا عامۃ الناس کے نزدیک مستحق تحسین ٹھہرتا اور ہیرو بن جاتا ہے۔

اس کے مقابلے میں غیر مسلم اہل مغرب (امریکہ و یورپ) اور ان کے ہم نواؤں کا مؤقف یہ ہے کہ پاکستان کا قانون توہین رسالت ''آزادی اظہار'' اور ''بنیادی انسانی حقوق'' کے خلاف ہے لہٰذا اسے ختم ہونا چاہیے یا بدرجۂ آخر اس کی سزا کم ہونی چاہیے کہ سزائے موت ''تکریم انسانیت'' کے خلاف ہے۔ جہاں تک مجرم کو ماورائے عدالت اور خود قتل کر دینے کا تعلق ہے تو یہ ''رواداری'' کے خلاف ہے، عدم برداشت اور جذباتیت کا رویہ ہے بلکہ یہ ''قانون'' ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے

اور انتہا پسندی اور دہشت گردی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت کا مؤقف صحیح ہے اور اہل مغرب اور ان کے ہم ہنواؤں کا مؤقف غلط ہے تاہم ضرورت اس بات کی ہے کہ قانون توہین رسالت کے حوالے سے اہل مغرب اور ان کے ہم نواؤں کے مؤقف کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور انہیں اپنا مؤقف سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ تفہیم کی اس کوشش کی تین جہات ہوسکتی ہیں:

۱۔ اہل مغرب کی فکری بنیادیں نہ صرف اسلام سے مختلف اور متضاد ہیں بلکہ وہ معروضی لحاظ سے بھی غیر فطری، غیر عقلی اور غیر علمی (unscientific) ہیں۔

۲۔ ہمارے پاس یہ باور کرنے کے قوی دلائل موجود ہیں کہ اہل مغرب کا مؤقف درحقیقت اسلام اور مسلم دشمنی پر مبنی ہے، گو وہ بظاہر اسے تسلیم نہیں کرتے۔

۳۔ بعض مسلمان توہین رسالت کے حوالے سے اہل مغرب کے مؤقف میں وزن محسوس کرتے ہیں اور ان کے مؤقف کی حمایت کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مغربی فکر و تہذیب سے مرعوب و متاثر ہیں — گو وہ بظاہر یہ تسلیم نہ کریں یا انہیں اس کا شعوری ادراک نہ ہو۔

اب ہم ان نکات پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔

مبحث اوّل: توہین رسالت کے حوالے سے اہل مغرب کا مؤقف غیر عقلی، غیر علمی اور خلاف اسلام ہے۔

مغربی تہذیب کی فکری بنیادیں ہیومنزم (Humanism)، انڈی وجیولزم (Individualism) سیکولرزم، لبرلزم، کیپٹل ازم وغیرہ پر استوار ہیں نہ کہ کسی آسمانی مذہب پر۔ ہیومنزم اور انڈی وجیولزم کا مطلب یہ ہے کہ انسان آزاد اور خود مختار ہے، وہ کسی الہ کا عبد نہیں ہے جس کی غیر مشروط اطاعت اس پر واجب ہو بلکہ اس کی حیثیت کائنات میں مرکزی اور اساسی ہے، وہ سب کا آقا اور تقدیس کا حامل ہے۔ وہ خود مختار ہی نہیں مختارِ مطلق ہے اور زندگی اسے اپنی مرضی کے مطابق گزارنی ہے نہ کہ کسی خدا اور رسول کی ہدایت کے مطابق۔ چنانچہ فرد ''آزاد'' ہے کہ جو چاہے سوچے اور جو چاہے کرے اور کائنات میں کسی ہستی یا نظریے یا مذہب کو (یعنی خدا و رسول کو) یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کی آزادی

کو محدود کرے اور اس پر پابندیاں لگائے جب کہ اس کے برعکس آسمانی مذاہب کو ماننے والوں خصوصاً اسلام کے پیروکاروں کا موٴقف یہ ہے کہ انسان خود مختار اور مختار مطلق نہیں بلکہ مختار مطلق تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان محض اللہ کا عبد اور حقیر بندہ ہے اور وہ لامحدود حد تک آزاد نہیں بلکہ غیر مشروط طور پر اور لامحدود حد تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت و پرستش کا مکلف ہے اور انسانی عقل و تجربہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ آزادی کبھی مشروط اور لامحدود نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ بعض قیود سے مشروط ہوتی ہے۔

مغربی تہذیب میں انسان کے لامحدود آزادی کے حامل ہونے کے تصور کا ایک مظہر اہل مغرب کا ''بنیادی انسانی حقوق'' کا وہ چارٹر ہے جو انہوں نے اقوام متحدہ سے منظور کرا کر ساری دنیا پر لاگو کر رکھا ہے (کیونکہ انہیں اقوام متحدہ میں دوسری اقوام پر ایسی برتری حاصل ہے جس کا کوئی اخلاقی جواز نہیں)اور یہ چارٹر مغربی تہذیب کے اس ورلڈ ویو پر مبنی ہے جس کی اساس ہیومنزم، سیکولرزم۔۔وغیرہ ہیں اور جن سے دوسری تہذیبیں اور ممالک اتفاق نہیں کرتے خصوصاً اسلام جیسے سماوی ادیان جو اس کے برعکس اپنا مخصوص ورلڈ ویو رکھتے ہیں لہٰذا وہ اصولاً ان اساسات سے متفق نہیں جن پر اہل مغرب اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کا مدار ہے مثلاً اسلام میں انسانی حقوق و واجبات کا تعین اللہ اور اس کا رسول کرتا ہے نہ کہ مسلمان خود جب کہ مغربی فلسفے کی رو سے انسان مختار مطلق ہے اور انسانی حقوق کے بارے میں فیصلے کا اختیار خود اسے حاصل ہے۔ اصول قانون/ اصول فقہ کے اس بنیادی فلسفے کے تضاد کا نتیجہ کیا نکلتا ہے اور اس کے اثرات کہاں تک پہنچتے ہیں، اس کے لیے بطور مثال اور نمونہ عورت اور مرد کے حقوق کا جائزہ لے کر دیکھ لیجیے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ مرد عورت کا قوام و نگران ہے اور دونوں کا دائرہ کار الگ ہے۔ اسلام اختلاط کی نفی کرتا ہے اور نکاح کے بغیر جنسی تعلق کو قبیح فعل اور بہت بڑا جرم اور قرار دیتا ہے جس کی سزا کوڑے اور موت (رجم) مقرر کرتا ہے کیونکہ اس سے معاشرت میں فساد پھیلتا ہے، نسل انسانی محفوظ نہیں رہتی اور نفرت و انتقام کے نتیجے میں قتل و غارت گری کے در وا ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس مغرب میں

عورت اور مرد ہر لحاظ سے برابر ہیں۔ وہ اگر باہم رضامند ہوں تو بغیر نکاح کے ان کا باہم جنسی تعلق قائم کرنا بھی جائز اور قانونی ہے، وہ نکاح کے بغیر اکٹھے زندگی گزار سکتے اور اولاد پیدا کر سکتے ہیں وہ اگر نکاح کر لیں تو عورت بھی مرد کو طلاق دے سکتی ہے اور مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے بھی نکاح کرسکتی ہیں۔۔۔غرض مغرب اور اسلام میں حقوق کا پورا نقشہ ہی ایک دوسرے سے مختلف ہے لہٰذا یہ کہنا کہ مسلمانوں کا فلاں قانون مغرب کے طے کردہ بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے بالکل بے معنی اور بے وزن بات ہے کیونکہ حقوق کا تصور دونوں جگہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

اب اہل مغرب کا مقدمہ یہ ہے کہ مغرب میں فرد چونکہ غیر مشروط پر اور لامحدود انداز میں ''آزادی''(freedom) کا حامل ہے اور کوئی اس پر قدغن نہیں لگاسکتا لہٰذا ''آزادی'' کا یہ تصور اسے یہ ''حق'' دیتا ہے کہ وہ جو چاہے سوچے اور جو کہنا چاہے اس کا اظہار کر سکے یعنی لامحدود آزادئ اظہار کا حق اس کا بنیادی انسانی حق ہے لہٰذا ایک مغربی آرٹسٹ اگر سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر کی تعلیمات انہیں تشدد پر اکساتی ہیں تو وہ اس پیغمبر کے خلاف لکھ سکتا ہے، کارٹون بنا کر اس پر تنقید کرسکتا ہے اور یہ ان کے تصور 'آزادی' اور تصور 'حقوق' کے عین مطابق ہے جب کہ ہم مسلمانوں کا مؤقف یہ ہے کہ ہمارے ہاں 'آزادی' اور 'حق' کا یہ تصور سرے سے موجود ہی نہیں۔ اہل مغرب کو اپنے تصورات کو ایک متفقہ اور عالمگیر سچائی فرض کر کے ہم پر نہیں ٹھونسنا چاہیے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے پونے دو ارب مسلمانوں کی محبوب شخصیت پر تنقید کر کے اور اس کا مضحکہ اڑا کر انہیں ایذا نہیں پہنچانی چاہیے۔

مغرب کے ہیومنزم اور انڈی وجیولزم کے تصورات کا ایک اور نتیجہ یہ ہے کہ کائنات میں چونکہ انسان کو مرکزی حیثیت اور تقدس حاصل ہے لہٰذا اگر اس سے کوئی غلطی بھی ہوجاتی ہے تو اس کی اصلاح کرنی چاہیے، کوئی چھوٹی موٹی سزا دینی چاہیے لیکن اسے کوئی ایسی سزا نہیں دینی چاہیے جس سے اس کی زندگی ہی ختم ہوجائے یعنی موت کی سزا۔ یہ ہے مغرب میں 'انسان کی تکریم' کا تصور اور فلسفہ اور اس کو بنیاد بناتے ہوئے کئی مغربی ممالک میں سزائے موت کا قانون ختم کر دیا گیا ہے بلکہ

اسے اب اہل مغرب ساری دنیا میں نافذ کرانے کی کوشش کررہے ہیں۔اس کے برعکس اسلام کا 'تصورتکریم انسان' یہ ہے کہ انسان کی زندگی بلاشبہ بہت قیمتی ہے اور بلاجواز وضرورت ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے اور ایک بے گناہ کی زندگی بچانا پوری انسانیت کو بچانا ہے لیکن اس کے باوجود اگر ایک شخص بلااستحقاق دوسرے انسان کی جان لیتا ہے یا انسانی معاشرت کو ایسا زبردست نقصان پہنچاتا اور ایسا فساد پھیلاتا ہے جس کے نتیجے میں بہت سی انسانی جانیں ضائع ہوسکتی ہوں اور باہم نفرت اور جھگڑے پیدا ہوتے اور بڑھتے ہوں تو ایسے شخص کو سزائے موت دی جاسکتی ہے تاکہ انسانی معاشرے کو اس کے ظلم وزیادتی سے محفوظ رکھا جاسکے۔ظاہر ہے کہ اسلام کا نقطۂ نظر زیادہ متوازن اور قرین عقل وانصاف ہے کیونکہ مغربی فلسفہ فرد کو مقدس قرار دے کر اسے معاشرے پر تعدی سے نہیں روکتا جب کہ اسلام فرد کو اہمیت ضرور دیتا ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ اسے معاشرے پہ تعدی سے نہ روکے۔یوں اسلام فرد اور معاشرے کے حقوق وواجبات میں ایک خوبصورت اور قابل عمل توازن پیدا کرتا ہے اور مسلمان اپنے عقیدے اور ورلڈ ویو کی بناء پر اسی کے قائل اور اسی پر عامل ہیں لیکن اہل مغرب اپنا فلسفۂ زندگی، اپنی معاشرت اور اپنے قانون کو ہم پر ٹھونسنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی ہمارے پیغمبر کو گالی دے کر ہمارے ایمان اور غیرت کو چیلنج کرے،سوسائٹی میں نفرت اور فساد پھیلائے تو ہم اسے موت کی سزا نہ دیں بلکہ ان کے تصورات کے مطابق توہین رسالت کا ارتکاب کرنے والے کو محض چندسال کی قید کی سزا دینے پر اکتفا کرلیں۔

یہی حال 'قانون' کا ہے۔مغرب میں 'قانون' مطلق آزاد اور مختار مطلق فرد یا مجموعۂ افراد یعنی عوام کے نمائندوں کے پارلیمنٹ میں عوام کی خواہش اور ہوائے نفس کے مطابق بناتے ہیں۔اور قانون سازی کے اس عمل میں سیاسی وقانونی حاکمیت کے مالک عوام کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے پارلیمنٹ اور اس کے ارکان بھی مطلق آزاد اور مختار مطلق ہوتے ہیں چنانچہ وہ جس چیز کو چاہے حلال اور جس کو چاہیں حرام قرار دے سکتے ہیں اور وہ عملاً شراب نوشی، زنا، جوئے،ہم جنسی تعلقات اور شادی کو جائز اور قانونی قرار دے چکے ہیں اور اسی طرح کی مزید قانون سازی بھی کرسکتے ہیں۔

اس کے برعکس 'قانون' اسلام میں وہ ہوتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم ہو۔ چنانچہ مغرب میں 'قانون' یہ ہے کہ فرد چونکہ مختار مطلق ہے لہٰذا وہ اگر کسی انسان کو قتل بھی کر دے تو اسے بطور سزا پھانسی نہیں دی جا سکتی (گویا معاشرے کے امن وسکون کو فرد کی تقدیس پر قربان کر دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں امن وسکون عنقا ہے اور مغربی معاشرے میں قانون شکنی اور فرد کے خلاف جرائم، چوری، ڈاکے، ریپ عام ہیں)۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے ہاں اللہ اوراس کے رسول ﷺ کا دیا ہوا 'قانون' یہ ہے کہ یہاں جان، مال، عزت، ایمان، عقل کی حفاظت کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے اوراس کی خلاف ورزی پر شدید ترین سزائیں شارع نے تجویز کی ہیں اور جہاں بھی ان سزاؤں پر عمل کیا جاتا ہے وہاں فرد کے خلاف جرائم نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں جیسے مثلاً سعودی عرب میں۔ گویا اسلام بھی فرد کی جان کو اہمیت دیتا ہے لیکن جہاں فرد معاشرے کے امن وسکون کو برباد کرتا اور فتنہ وفساد کا سبب بنتا ہے وہاں اس کی تقدیس کو تسلیم نہیں کرتا۔ یوں اسلام کا نقطۂ نظر زیادہ متوازن، تعمیری اور سودمند ہے اور فرد اور اجتماع کے حقوق وواجبات کے درمیان ایک ایسا حسین توازن پیدا کرتا ہے جس سے فرد بھی متمتع ہوتا ہے اور معاشرہ بھی امن وسکون سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

جہاں تک حرمتِ رسول ﷺ کے حوالے سے مسلمانوں کے جذباتی ہونے کا تعلق ہے تو یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ ہر تہذیب، مذہب (دین) اور معاشرہ ان بنیادوں کو مستحکم رکھنے کے لیے ان کی تقدیس کا اور ان سے جذباتی وابستگی کا اعلان و انتظام کرتا ہے جن پر اس تہذیب، مذہب اور معاشرے کی بقاء کا انحصار ہوتا ہے تا کہ لوگ ان کی مخالفت سے احتراز کریں اور انہیں مقدس سمجھتے ہوئے ان سے جذباتی وابستگی اختیار کرلیں اور اسکے تقاضوں پر عمل کریں۔ اس کے لیے ہر تہذیب اور مذہب مختلف شعائر اختیار کرتا ہے اور انہیں مقدس قرار دیتا ہے جیسے عیسائیوں کے ہاں کرسمس جو ان کے پیغمبر کا یوم پیدائش ہے۔ یہودیوں نے ہولوکاسٹ کو اتنا تقدس عطا کر رکھا ہے کہ اس کے خلاف لکھنے یا بولنے پر بھی سزا مقرر ہے۔ اسی طرح مغربی فکر وتہذیب کے حامل لوگ جمہوریت اور آئین کو مقدس سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں اسے توڑنے کی سزا موت ہے۔ اسی طرح اہل مغرب کے

ہاں ’آزادی‘ اور ’بنیادی انسانی حقوق‘ کا تقدس موجود ہے جن کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے کیونکہ یہ مغرب کے ہیومنزم، انڈی وجیولزم، سیکولرزم، کیپٹل ازم وغیرہ کی تقدیس اور اہمیت کی بنیادی ضرورت ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں اللہ اور رسول کا تصور مقدس ہے اور چونکہ یہی تصور معاشرے اور ریاست کی تشکیل، بقاء اور استحکام کا سبب ہے لہٰذا ان تصورات کو قبول کرنے کے بعد ان کی نفی اور تکذیب چونکہ معاشرے اور ریاست کی بقاء کو چیلنج کرنے کے مترادف ہوتی ہے لہٰذا شارع نے معاشرے اور ریاست کی بقاء اور استحکام کی خاطر اس کی سزا موت مقرر کی ہوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پیغمبر چونکہ زمین پر خدا کا نمائندہ اور سفیر ہوتا ہے لہٰذا پیغمبر کی توہین اور گستاخی خدا کی توہین اور گستاخی سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح پیغمبر کی توہین پورے اسلام اور پورے دین اور نظام کی توہین وتکذیب سمجھی جاتی ہے اسی وجہ سے پہلی شریعتوں میں بھی انبیاء کی توہین کی سزا موت ہی تھی۔ لہٰذا پیغمبر کی حرمت سے مسلمانوں کی جذباتی وابستگی سمجھ میں آتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب نہرو نے اقبال پر طنز کی کہ تم یورپ کے پڑھے لکھے ہوکر فرقہ پرست مولویوں کی طرح قادیانیت کی مخالفت کررہے ہو تو اقبال نے اپنے مؤقف کی مدافعت کرتے ہوئے اسے یہ کہہ کر جائز ٹھہرایا کہ چونکہ اس سے امت مسلمہ کی بقا وابستہ ہے لہٰذا اس سے جذباتی وابستگی ہونا کوئی عیب کی بات نہیں۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کی اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جذباتی وابستگی ان کی بقاء کی ضامن ہے لہٰذا جو کوئی اسے چیلنج کرتا ہے وہ گویا ان کے ایمان اور وجود کو چیلنج کرتا ہے لہٰذا اگر وہ اس کے لیے سزائے موت تجویز کرتے ہیں تو اس کی حکمت صاف ظاہر ہے۔ اسی طرح اسلام کسی بھی معاملے میں مسلمانوں کو اسلامی قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتا (اور نہ اسلام مسلمانوں کو اسلام کے سوا کسی اور قانون کی پیروی کی اجازت دیتا ہے) سوائے نبی کی حرمت کے معاملے میں کہ اگر حکومت غیر اسلامی ہو یا برائے نام اسلامی ہو اور توہین رسالت کے مرتکب کو کماحقہ سزا نہ دے اور کوئی مسلمان جذبات سے مغلوب اور مشتعل ہوکر اسے قتل کردے تو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطا کردہ ’قانون‘ یہ ہے کہ اگر عدالت ایسے شخص کو سچا پائے تو ایسا قتل قابل مواخذہ نہ ہوگا اور عدالت اسے بَری

کردے گی۔ اب یہ بات چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل مبارک سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اپنی زندگی میں توہین رسالت کرنے والے کئی افراد کو بحیثیت قاضی نہ صرف قتل کی سزا دی اور بطور حاکم اس سزا پر عمل کروایا بلکہ آپؐ کی زندگی میں کئی ایسے واقعات پیش آئے جن میں آپؐ نے ایسے قاتلوں کو معاف کردیا جنھوں نے توہین رسالت کے مرتکبین کو قتل کر دیا تھا۔ لہٰذا یہ اسلام کا قانون ہے اور اس پر عمل کو قانون ہاتھ میں لینا نہیں کہہ سکتے لیکن ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اسلامی قانون سے متعلق ہے اور مغربی قانون سے اس کی کوئی مماثلت اور مطابقت نہیں ہوسکتی اور نہ اہل مغرب اسے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ان کے معاشرے میں خدا اور رسول کو کوئی اہمیت و تقدس حاصل نہیں اور نہ ہی یہ عقیدہ ان کے معاشرے اور ریاست کی بنیاد ہے اس لیے ان کی اس تصور سے جذباتی وابستگی بھی نہیں ہے۔

یہی حال اہل مغرب میں 'رواداری' اور عدم برداشت کے تصورات کا ہے۔ وہ رواداری کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ ہمارے مقدسات کی توہین کرتے رہیں تو ہم بے غیرت اور بے حمیت بن کر چپ سادھے بیٹھے رہیں اور اس کی مذمت اور مزاحمت نہ کریں تو ان کے نزدیک یہ 'رواداری' ہے۔ ظاہر ہے یہ کوئی رواداری نہیں۔ رواداری یہ ہے کہ وہ ہمارے مقدسات کو مقدسات نہ سمجھیں لیکن پھر بھی ان کا احترام کریں۔ اسی طرح مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیر مسلمانوں کے مقدسات کا احترام کریں خواہ ان کے نزدیک مقدس نہ بھی ہوں کیونکہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کفار کے جھوٹے خداؤں کو بُرا نہ کہیں ورنہ وہ مسلمانوں کے سچے خدا کو بُرا بھلا کہیں گے۔ اس طرح دیکھا جائے تو مسلمان تو روادار ہیں کہ وہ کفار و مشرکین کے عقائد و اقدار کو صحیح نہ سمجھنے کے باوجود ان کی بے حرمتی نہیں کرتے کیونکہ ان کے خدا و رسول کا حکم یہی ہے۔ اس کے برعکس کفار و مشرکین اور اہل مغرب رواداری سے کام نہیں لیتے اور ہمارے رسول کو بُرا کہتے ہیں اور یوں کروڑوں مسلمانوں کی دل آزاری اور انہیں ایذا دہی کا سبب بنتے ہیں اور الٹا ہمیں عدام رواداری اور عدام برداشت کا الزام دیتے ہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ امریکہ و یورپ نے لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو عراق و افغانستان میں قتل کردیا، ان پر ناپام، ڈیزی کٹر اور ایٹم بم

برسائے، ان کے کروڑوں مکانات جلائے، لاکھوں کو اپاہج بنایا، ہزاروں عورتوں کی عزت پامال کی، ہزاروں کو جیلوں میں ڈالالیکن اس کے باوجود وہ دہشت گرد نہیں اور مسلمان ان کی مزاحمت کے لیے درے کی بنی ہوئی رائفل لے کر کھڑے ہوجائیں یا اپنے جسم سے بم باندھ کر اپنی جان قربان کردیں تو وہ انتہا پسند اور دہشت گرد قرار پاتے ہیں جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

اس وقت تک ہم نے جو کچھ عرض کیا اس سے واضح ہے کہ مغربی فکر وتہذیب کے حامل غیر مسلم اہل مغرب کے ہاں 'آزادی'، 'آزادیٔ اظہار'، 'بنیادی انسانی حقوق'، 'تکریم انسانیت' 'قانون' اور 'رواداری' وغیرہ کے جو مخصوص تصورات پائے جاتے ہیں وہ کسی آسمانی مذہب یا کسی عالم گیر سچائی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ یہ انہوں نے اپنے پاس سے اپنی عقل سے گھڑ رکھے ہیں اور یہ نہ صرف سماوی ادیان اور اسلام کے خلاف ہیں بلکہ اصلاً یہ غیر فطری، غیری منطقی، غیر عقلی اور غیر سائنسی بھی ہیں یہ ان کے نفس، ہوائے نفس (یعنی خواہشات نفسانی) اور پیرویٔ ابلیس کی پیداوار ہیں اور مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنی سیاسی اور معاشی برتری اور سائنس وٹیکنالوجی میں پیش رفت کے بل بوتے پر ان تصورات کو علم، عقل اور تہذیب کا بہترین نمونہ سمجھتے ہوئے مسلم معاشرے پر بھی زبردستی ٹھونسنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے ہر طرح کا دباؤ ڈال رہے ہیں۔اصل حقیقت یہ ہے کہ مغربی فکر وتہذیب میں جزواً اگر کوئی خیر کا پہلو ہے تو وہ اسلام اور سماوی ادیان کے بالواسطہ اثرات کی وجہ سے ہے اور جو غیر صالح اور غیر تعمیری اثرات اس تہذیب کا نتیجہ ہیں وہ ان کی ہوائے نفس کی پیروی، خدا سے بغاوت اور اطاعت ابلیس کا نتیجہ ہیں۔

مبحث دوم: اہل مغرب کا مؤقف اسلام اور مسلم دشمنی پر مبنی ہے

سطور بالا میں ہم نے جو کچھ عرض کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل مغرب کی فکر، ان کا ورلڈ ویو، ان کا عقیدہ، ان کے تصورات اور ان کی اقدار سب مسلمانوں سے مختلف ہیں اور ان اسلامی تعلیمات سے متضاد ومتصادم ہیں جن پر مسلمان یقین رکھتے ہیں لہٰذا عقل ومنطق کی بات یہ ہے کہ جس چیز کو وہ صحیح سمجھتے ہیں اس پر وہ عمل کریں اور جس چیز کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اس پر ہمیں عمل کرنے دیں۔ یہی

بقائے باہمی کی صورت ہے اور یہی وہ پلورلزم (Pluralism) ہے جس کے ہم مسلمان قائل وعلم بردار ہیں کہ 'لکم دینکم ولی دین' یعنی تم اپنے عقائد اور اپنی فکر کے مطابق زندگی گزارو اور ہمیں ہمارے عقائد اور ہماری فکر کے مطابق زندگی گزارنے دو کہ یہی انصاف اور عدل کی بنیاد ہے لیکن اہل مغرب اپنا نقطۂ نظر ہم پر دباؤ اور دھونس کے ذریعے ٹھونسنا چاہتے ہیں جو اصولاً غلط ہے۔

لیکن معاف کیجیے گا یہ بھی مغرب کا مؤقف ہے کہ اسے ہم سے اصولی اور فکری اختلاف ہے اور وہ دلیل کی بنیاد پر اپنے مؤقف کو صحیح اور ہمارے مؤقف کو غلط سمجھتا ہے۔ ہمارا مؤقف یہ ہے — اور اس کے لیے ہمارے پاس قوی دلائل موجود ہیں — کہ مغرب کا رویہ محض استدلال پر مبنی نہیں بلکہ وہ اپنی سیاسی ومعاشی برتری کے بل بوتے پر پہلے ہم پر پُرامن دباؤ ڈالتا ہے اور اگر یہ ناکام ہوجائے تو وہ اپنی حربی قوت سے اپنا نقطۂ نظر ہم پر زبردستی ٹھونسنے پر اتر آتا ہے جیسا کہ ماضی قریب کی تاریخ اور حال کے واقعات گواہ ہیں۔ برصغیر کے تناظر میں دیکھیے کہ اہل مغرب یہاں تاجروں کے بھیس میں آئے، اپنا اثر ورسوخ آہستہ آہستہ بڑھایا، مسلم حکمرانوں میں سازشوں سے پھوٹ ڈالی، ان میں سے بعض کو دولت سے خریدا اور ایک دوسرے سے لڑایا اور جب وہ کمزور ہوگئے تو فوجی قوت سے ان کو کچل کر حکومت وریاست پر قبضہ کرلیا۔ ان کے وسائل لوٹے، ان کا خام مال اٹھا کر اپنے کارخانوں میں لے گئے اور اپنے ہاں تعلیم اور سائنس وٹیکنالوجی کو ترقی دی۔ مسلم معاشرے کے سارے اداروں کو توڑا پھوڑا اور اپنا تعلیمی وتربیتی نظام یہاں نافذ کردیا تاکہ محکوموں کے دل ودماغ کو بدلا جاسکے اور ان کو فکری وذہنی غلام بنایا جاسکے تاکہ وہ ہمیشہ غلام ہی رہیں۔ تاہم یہ اللہ کی مشیت تھی اور مسلمانوں کی جدوجہد کہ وہ زیادہ عرصہ غلام نہ رہ سکے اور بیسویں صدی کے نصف اوّل کے بعد مسلم ریاستیں آزاد ہونا شروع ہوگئیں۔ اب استعمار چولا بدل کر آگیا اور اس نے مسلم ممالک میں تعلیم، میڈیا، دیہی ترقی، بہبود آبادی، جمہوریت۔۔۔ وغیرہ جیسے خوش کن نعروں کے پردے میں مغربی فکر وتہذیب کے نفوذ کا جال پھیلایا لیکن اس کے باوجود ملائشیا، پاکستان، عراق، ترکی، ایران۔۔۔ وغیرہ نے پَر پُرزے نکالنا شروع کردیئے تو اہل مغرب نے جھنجھلا کر حیلے بہانے پہلے عراق کو کچلا، پھر

افغانستان کا تورا بورا بنادیا جو اسلامی نظام زندگی کے ایک ایسے ماڈل پر عمل پیرا تھا جس میں مغربی تہذیب کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی، اور اب پاکستان کی باری ہے۔ یہاں ڈرون حملے ہورہے ہیں، بھارت اور اسرائیل کو ساتھ ملا کر بلوچستان کو الگ کرنے، خودکش حملے کرنے، اسے معاشی طور پر تباہ کرنے جیسے اقدامات کیے جارہے ہیں تاکہ یہ ملک ٹوٹ کر بکھر جائے اور ان کی جھولی میں جاگرے۔ پہلے اس نے ایٹمی دھماکے کرنے والی حکومت کو پچھاڑا، ایک فوجی ڈکٹیٹر کو حکمرانی دلوائی اور جب وہ بدنام اور غیر مؤثر ہوگیا تو تازہ دم سیاسی غلاموں کی حکومت بنوا ڈالی۔ یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہورہا ہے اور ہم اس کے عینی شاہد ہیں لہٰذا ہمیں تاریخی اور کتابی حوالے دینے کی ضرورت نہیں کہ اہل مغرب اسلام اور مسلم دشمن ہیں بلکہ یہ تو ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے جو ہم کررہے ہیں اور کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ امریکہ اور یورپ کس طرح اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ساتھ دشمنی کررہے ہیں۔(اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتابیں' اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش' اور 'مسلم نشأۃ ثانیہ ــــ اساس اور لائحہ عمل)۔

خلاصہ یہ کہ حرمت رسول کے حوالے سے مغرب کا رویہ محض استدلال پر مبنی نہیں ہے اور اس کی پشت پر صرف فکری اختلاف نہیں ہے کہ ان آزادی، فکری حریت، آزادیٔ اظہار، بنیادی انسانی حقوق، تکریم انسانیت اور قانون کے تصورات ہم مسلمانوں سے مختلف ہیں بلکہ اس کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کرتے اور دشمنی رکھتے ہیں وہ انہیں اپنے رنگ میں رنگنا اور دبا کر رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی تہذیب کا بول بالا رہے، وہی دنیا پر حکمرانی کریں اور مسلمان ان سے دب کر رہیں اور ان کے غلام اور زیر دست رہیں۔

مبحث سوم: بعض مسلمان کیوں توہین رسالت کے حوالے سے مغربی نقطۂ نظر کی حمایت کرتے ہیں؟

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ فاتح قومیں صرف زمین اور علاقے فتح نہیں کرتیں بلکہ وہ محکوموں کے دل ودماغ بھی فتح کرنے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ مفتوح قوم ہمیشہ ان کی غلام رہے۔ برصغیر کو دیکھیے کہ ساحلی ریاستوں پر سازشوں، میر جعفروں اور فوجی قوت سے جب انگریز نے غلبہ پالیا تو ملک پر

عیسائی مشنریوں نے یلغار کردی۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان محکوم ہوگئے ہیں تو عیسائی بھی ہوجائیں لیکن برصغیر کے مسلمانوں نے دین ترک کردینے سے انکار کردیا اور مسلمان علماء نے سیاسی اور حربی شکست کے باوجود دینی اور علمی محاذ پر پادریوں کوشکست دی۔ اس کے بعد انگریزوں نے لارڈ میکالے کی وضع کردہ اس پالیسی پرعمل شروع کردیا کہ نظام تعلیم و تربیت بدل کر ایسا کردو کہ مسلمان نام کے تو مسلمان رہیں لیکن فکر وعمل کے لحاظ سے مغربی فکر وتہذیب کو اپنالیں چنانچہ اس منہج میں سے اسے کامیابی ہوئی۔ پہلے اس نے خود ایسے تعلیمی ادارے قائم کیے اور پھر مسلمانوں میں سے ہی اسے سرسید جیسے لوگ مل گئے جنہوں نے استعمار کے لیے وفادار ملازموں کی فوج تیار کرنا شروع کردی۔ اس کے ساتھ ہی اسے مسلمانوں کومزاحمتی رویے سے ہٹانے اور حقیقی دین سے برگشتہ کرنے کے لیے غلام احمد قادیانی جیسے جعلی نبی اور سرسید، امیر علی، چکڑالوی، امرتسری جیسے مغربی فکر وتہذیب کی روشنی میں اسلام کی مرمت کرنے والے علماء مل گئے۔

اورجیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ مسلمان ممالک کی آزادی کے بعد استعمار نے صرف چولا بدلا اور پُرامن طریقے سے مسلمان عوام کی برین واشنگ جاری رکھی اور اپنی پلاننگ کی وجہ سے اسے مسلمانوں میں سے ایسے حکمران، جاگیر دار، سیاستدان، سول وفوجی بیوروکریٹ اور صحافی و دانشور آسانی سے مل گئے جو اس کی فکر وتہذیب کے رسیا اور اسے لے کر آگے بڑھنے اور مسلم معاشرے میں اس کے نفوذ کے لیے تیار تھے۔ اہل دین میں سے بھی اسے غلام احمد پرویز اور جاوید احمد غامدی جیسے لوگ مل گئے جو سرسید وغیرھم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام کومغربی فکر وتہذیب کے مطابق ڈھالنے کی علمی مشق کرنے کے لیے تیار تھے جبکہ دینی مدارس اور روایتی علماء کومغربی فکر وتہذیب کے چیلنج اور اس کی اہمیت کا ادراک ہی نہ تھا اور تیسری طرف دینی سیاسی قوتوں کو ناکام بنانے کا استعمار نے اپنے مقامی ایجنٹ حکمرانوں کی مدد سے تسلی بخش انتظام کررکھا تھا جو کامیاب ثابت ہوا۔ ان سب عوامل کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا معاشرہ اور اس کے مختلف ادارے خصوصاً وہ جو ذہن سازی کا کام کرتے ہیں (مثلاً تعلیم اور میڈیا وغیرہ) پاکستانی قوم اور معاشرے کی

ویسٹرنائزیشن(westernization) پر لگ گئے اور آج حالت یہ ہے کہ پاکستانی معاشرہ بڑی حد تک مغربی فکر و تہذیب کے چنگل میں جکڑا جا چکا ہے اور استعمار مسلمانوں کے دل و دماغ کو فتح کرنے میں خاصی حد تک کامیاب ہو چکا ہے۔

ان حالت میں اگر بعض جدید تعلیم یافتہ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ توہین رسالت کے حوالے سے مسلم اکثریت کا رویہ جذباتی اور غلط ہے اور مغرب کا رویہ معقولیت پر مبنی ہے تو اس کا جواز سمجھ میں آتا ہے۔ یہ اقلیت چونکہ مؤثر ہے اور حکومت، بیوروکریسی،فوج، میڈیا وغیرہ پر قابض ہے لہٰذا اس کی ذہن سازی اور اس کے اشکالات وشبہات کا جواب دینا ضروری تھا لہٰذا ہم نے یہ سطور قلم بند کرنا ضروری سمجھیں ورنہ یہ بات ہمارے علم میں بھی ہے کہ ہمارے بہت سے سیاستدان محض اقتدار کی خاطر امریکہ و یورپ کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں ورنہ شعوری طور پر نہ سہی جذباتی طور پر وہ بھی مسلمان ہیں اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے محبت کرتے ہیں اور ہمارے وزیر داخلہ عبدالرحمن ملک صاحب کی طرح یہ الفاظ ان کے منہ سے رواروی میں نکل جاتے ہیں کہ اگر میرے سامنے بھی کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے گا تو میں اسے قتل کردوں گا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں انہیں اس جملے کی تاویل کرنے کی ضرورت پڑ گئی لیکن یہ تاویل اتنی ہی بودی تھی جتنی سابق امریکی صدر بش کی یہ تاویل کہ کروسیڈ (یعنی مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ) کا لفظ تو میرے منہ سے نکل گیا تھا ورنہ میرا مقصد یہ نہ تھا۔ حالانکہ سارے مسلمان جانتے ہیں کہ امریکہ نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ ہی شروع کر رکھی ہے فرق صرف یہ ہے کہ ان کو جواب دینے کے لیے آج مسلمانوں میں کوئی صلاح الدین موجود نہیں بلکہ صرف ایسے سیاستدان اور جرنیل ہی ہمارے نصیب میں ہیں۔ جو مغرب کے ذہنی غلام ہیں۔

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

توہین رسالت — احادیث کی روشنی میں

ان دنوں اہانتِ رسول ﷺ پر دنیا بھر میں ایک ہنگامہ برپا ہے، اور عالم کفر اظہارِ رائے کی آزادی کے نام پر یہ 'حق' چھیننے پر تلا بیٹھا ہے کہ وہ دنیا کی مقدس ومتبرک ترین شخصیت کی من مانی توہین کی اجازت حاصل کرے۔ اس مسئلہ کی دیگر تفصیلات سے قطع نظر ذیل میں ان احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں دورِ نبوی ﷺ میں توہین رسالت کرنے والوں کے واقعات درج ہیں کہ **رحمۃللعالمین** ﷺ نے ایسے گستاخوں کے ساتھ خود کیا سلوک روا رکھا؟ یہ احادیث جہاں ایک مسلمان کے ایمان وایقان کو تازہ کرتی ہیں، وہاں اسلام کے اہانت انبیا پر غیر متزلزل موقف کی بھی عکاس ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اپنے نبی ﷺ کے حقوق پورے کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

'مَنْ سَبَّ نَبِيًّا قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابَهُ جُلِدَ' (الصارم المسلول، ص ۹۲)

''جس نے کسی نبی کو گالی دی اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے کسی صحابی کو گالی دی، اسے کوڑے مارے جائیں گے۔'' (احکام اہل الذمہ لابن قیم ۱/ ۲۷۵)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''اگر اس حدیث کی صحت ثابت ہوجائے تو یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ نبی کریم کو گالی دینے والے کو قتل کرنا واجب ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کیا جائے گا، نیز یہ کہ قتل اس کے لئے حدِ شرعی ہے۔''

اس سلسلے میں مختلف صحابہ کرامؓ کے فرامین حسبِ ذیل ہیں:

حضرت ابوبکرؓ کا فرمان ہے: **'لا واللہ ما کانت لِبَشر بعد محمد** ﷺ (سنن ابوداؤد: ۴۳۶۳ 'صحیح') مختصراً ''اپنی توہین کرنیوالے کو قتل کروا دینا محمد ﷺ کے علاوہ کسی کے لئے روا نہیں

ہے۔''

حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی لایا گیا کہ وہ نبی ﷺ کو برا بھلا کہتا تھا تو فرمایا: **'من سبَّ اللہ أو سبَّ أحدا من الأنبیاء فاقتلوہ** (الصارم المسلول: ص۴۱۹) ''جس نے اللہ کو یا انبیائے کرامؑ میں سے کسی کو گالی دی تو اسے قتل کردیا جائے۔''

حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ ''جس نے رسول اللہ ﷺ کی توہین کی اس کی گردن ماردی جائے۔'' (مصنف عبدالرزاق: ج۵ رص ۳۰۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے: **'أَيُّمَا مُسْلِمٍ سَبَّ اللهَ وَرَسُولَهُ أَوْ سَبَّ أَحَدًا مِنَ الأَنْبِيَاءِ فَقَدْ كَذَبَ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَهِيَ رِدَّةٌ يُسْتَتَابُ فَإِنْ رَجَعَ وَإِلاَّ قُتِلَ وَأَيُّمَا مُعَاهِدٍ عَانَدَ فَسَبَّ اللهَ أَوْ سَبَّ أَحَدًا مِنَ الأَنْبِيَاءِ أَوْ جَهَرَ بِهِ فَقَدْ نَقَضَ الْعَهْدَ فَاقْتُلُوهُ** (زاد المعاد ۵ر۶۰) ''جس مسلمان نے اللہ یا اس کے رسول یا انبیا میں سے کسی کو گالی دی، اس نے اللہ کے رسول ﷺ کی تکذیب کی، وہ مرتد سمجھا جائے گا اور اس سے توبہ کروائی جائے گی، اگر وہ رجوع کرلے تو ٹھیک، ورنہ اسے قتل کردیا جائے گا اور جو معاہدہ کرنے والا شخص خفیہ یا اعلانیہ، اللہ یا کسی نبی کو بُرا کہے تو اس نے وعدے کو توڑ دیا، اس لئے اسے قتل کردو۔''

اسی حوالے سے دورِ نبویؐ کے واقعات اور ان پر نبی کریم ﷺ کا ردّعمل ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ واقعہ کعب بن اشرف

'عَنْ جَابِرٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الأَشْرَفِ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللهَ وَرَسُولَهُ؟ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ يَا رَسُولَ اللهِ! أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ قَالَ نَعَمْ۔ قَالَ: إِئْذَنْ لِي فَلأَقُلْ، قَالَ: قُلْ، فَأَتَاهُ فَقَالَ لَهُ وَ ذَكَرَ مَا بَيْنَهُمَا، وَقَالَ: إِنَّ هَذَا الرَّجُلَ قَدْ أَرَادَ صَدَقَةً وَ قَدْ عَنَّانَا، فَلَمَّا سَمِعَهُ، قَالَ: وَأَيْضًا، وَاللهِ لَتَمَلَّنَّهُ قَالَ: إِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاهُ الآنَ، وَنَكْرَهُ أَنْ نَدَعَهُ حَتَّى نَنْظُرَ إِلَى أَيِّ شَيْئٍ يَصِيرُ أَمْرُهُ، قَالَ: وقَدْ أَرَدْتُ أَنْ تُسْلِفَنِي سَلَفًا قَالَ فَمَا تَرْهَنُنِي قَالَ: مَا تُرِيدُ قَالَ: تَرْهَنُنِي نِسَائَكُمْ۔ قَالَ: أَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ أَنَرْهَنُكَ نِسَائَنَا قَالَ لَهُ: تَرْهَنُونِي أَولاَدَكُمْ۔ قَالَ يُسَبُّ ابْنُ أَحَدِنَا، فيُقَالَ: رُهِنَ فِي وَسَقٍ مِنْ تَمْرٍ وَلَكِنْ نَرْهَنُ ☐ كَ اللأْ ☐ مَةَ۔ يَعْنِي السِّلاَحَ۔ قَالَ: نَعَمْ۔ وَوَاعَدَهُ أَنْ يَأْتِيهِ ☐ بِالْحَارِثِ وَأَبِي عَبَسِ بْنِ حَبِيبٍ وَ عُبَادِ بْنِ بَشْرٍ قَالَ: فَجَاؤُوا فَدَعَوهُ لَيْلًا فَنَزَلَ

إِلَيْهِمْ۔ قَالَ سُفْيَانُ قَالَ غَيْرُ عَمْرٍو: قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: إِنِّي لَأَسْمَعُ صَوْتًا، كَأَنَّهُ صَوْتُ دَمٍ قَالَ: إِنَّمَا هَذَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ وَرَضِيعُهُ وَأَبُو نَائِلَةَ، إِنَّ الْكَرِيمَ لَوْ دُعِيَ إِلَى طَعْنَةٍ لَيْلًا لَأَجَابَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: إِنِّي إِذَا جَاءَ فَسَوْفَ أَمُدُّ يَدِي إِلَى رَأْسِهِ۔ فَإِذَا اسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ فَدُونَكُمْ، قَالَ: فَلَمَّا نَزَلَ، نَزَلَ وَهُوَ مُتَوَشِّحٌ فَقَالُوا نَجِدُ مِنْكَ رِيحَ الطِّيبِ، قَالَ: نَعَمْ، تَحْتِي فُلَانَةٌ، هِيَ أَعْطَرُ نِسَاءِ الْعَرَبِ قَالَ: فَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَشُمَّ مِنْهُ۔ قَالَ: نَعَمْ، فَشَمَّ فَتَنَاوَلَ فَشَمَّ ثُمَّ قَالَ: أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَعُودَ قَالَ: فَاسْتَمْكَنَ مِنْ رَأْسِهِ، ثُمَّ قَالَ: دُونَكُمْ۔ قَالَ فَقَتَلُوهُ‘‘ (صحیح مسلم ۱۸۰۱، بخاری ۴۰۳۷)

’’حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپؐ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کردوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! محمد بن مسلمہ نے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے میں اس سے کچھ بات کروں (یعنی میں اس سے مصلحت کے مطابق باتیں کروں، جن سے آپؐ کی برائی تو ہوگی، لیکن اس سے وہ میرا اعتبار کرلے گا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہہ! (جو مصلحت ہو)۔ وہ کعب کے پاس آئے، اس سے باتیں کیں، اپنا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ بیان کیا اور کہا کہ اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صدقہ لینے کا ارادہ کیا ہے اور ہمیں تکلیف میں ڈال دیا ہے۔ جب کعب نے یہ سنا تو کہنے لگا: بخدا ابھی تم کو اور تکلیف ہوگی۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا: اب تو ہم نے اس کی اتباع کرلی ہے اور اس کو اس وقت تک چھوڑنا بُرا معلوم ہوتا ہے، جب تک اس کا انجام نہ دیکھ لیں۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے ایک وسق یا دو وسق قرض دے دو۔ کعب نے کہا: تم کیا چیز گروی رکھو گے؟ محمد بن مسلمہ نے پوچھا: تو کیا چاہتا ہے؟ کعب نے کہا: تم اپنی عورتوں کو میرے پاس گروی رکھ دو۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا: تم تو عرب میں سب سے زیادہ خوبصورت ہو، ہم اپنی عورتیں کیونکر تیرے پاس گروی رکھ دیں؟ کعب نے کہا: اچھا! اپنی اولاد گروی رکھ دو۔ محمد نے کہا: ہمارے بیٹے کو لوگ طعنہ دیں گے کہ کھجور کے ایک وسق کے لئے گروی رکھا گیا تھا۔ البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس گروی رکھ دیں گے۔ کعب نے کہا: ٹھیک ہے! پھر محمد بن مسلمہؓ نے اس سے وعدہ کیا کہ میں حارث (بن اوس)، ابوعبس بن حبیب اور عباد بن بشر کو لے کر آؤں گا۔ یہ آئے اور رات کو اسے بلایا۔ جب وہ ان کی طرف جانے لگا تو اس کی بیوی نے کہا: مجھے ایسے لگتا ہے جیسے اس

آواز سے خون ٹپک رہا ہو۔کعب نے کہا ارے! یہ تو محمد بن مسلمہؓ اور اس کا رضاعی بھائی ابو نائلہ ہیں اور باہمت مرد کا کام یہ ہے کہ اگر رات کو بھی اسے لڑائی کے لئے بلایا جائے تو چلا آئے۔ محمد (بن مسلمہؓ) نے (اپنے ساتھیوں سے) کہا کہ جب کعب آئے گا تو میں اپنا ہاتھ اس کے سر کی طرف بڑھاؤں گا اور جب وہ میری گرفت میں آجائے تو تم اپنا کام کر جانا۔ پھر کعب خوشبو لگائے ہوئے آیا تو اُنہوں نے کہا: تم سے کتنی عمدہ خوشبو آرہی ہے۔ کعب نے کہا: ہاں! میرے ہاں فلاں عورت ہے جو عرب کی سب عورتوں سے زیادہ معطر رہتی ہے۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا اگر تم اجازت دو تو میں تمہارا سر سونگھ لوں۔ کعب نے کہا: ہاں اجازت ہے! محمد نے اس کا سر سونگھا، پھر پکڑا پھر سونگھا پھر کہا: اگر اجازت دو تو دوبارہ سونگھ لوں؟ اور اسے اچھی طرح تھام لیا پھر اپنے ساتھیوں سے کہا: اس کا کام تمام کردو! اُنہوں نے اسے قتل کردیا۔ پھر وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو خبر دی۔''

۲۔ نابینا شخص کا اپنی گستاخ لونڈی کو قتل کرنا

'عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أَعْمَى كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَتْ لَهُ أُمَّ وَلَدٍ، وَكَانَ لَهُ مِنْهَا اِبْنَانِ، وَكَانَتْ تُكْثِرُ الْوَقِيعَةَ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَتَسُبُّهُ فَيَزْجُرُهَا فَلَا تَنْزَجِرُ وَيَنْهَاهَا فَلَا تَنْتَهِي، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، ذَكَرَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَوَقَعَتْ فِيهِ، فَلَمْ أَصْبِرْ أَنْ قُمْتُ إِلَى الْمِغْوَلِ فَوَضَعْتُهُ فِي بَطْنِهَا فَاتَّكَأْتُ عَلَيْهِ فَقَتَلْتُهَا، فَأَصْبَحَتْ قَتِيلًا فَذُكِ [illegible] رَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَجَمَعَ النَّاسَ وَقَالَ: أَنْشُدُ اللهَ: رَجُلًا لِي عَلَيْهِ حَقٌّ فَعَلَ مَا فَعَلَ إِلاَّ قَامَ فَأَقْبَلَ الأَعْمَى يَتَدَلْدَلُ فَقَالَ يَارَسُولَ اللهِ أَنَا صَاحِبُهَا كَانَتْ أُمَّ وَلَدِي، وَكَانَتْ بِي لَطِيفَةً رَفِيقَةً وَلِيَ مِنْهَا إِبْنَانِ مِثْلُ اللُّؤْلُؤَتَيْنِ، وَلٰكِنَّهَا كَانَتْ تُكْثِرُ الْوَقِيعَةَ فِيكَ وَتَشْتُمُكَ فَأَنْهَاهَا فَلَا تَنْتَهِي أَزْجُرُهَا فَلَا تَنْزَجِرُ فَلَمَّا كَانَتِ الْبَارِحَةُ ذَكَرَتْكَ فَوَقَعَتْ فِيكَ قُمْتُ اِلَى الْمِغْوَلِ فَوَضَعْتُهُ فِي بَطْنِهَا فَاتَّكَأْتُ عَلَيْهَا حَتَّى قَتَلْتُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَلاَ أَشْهِدُوا إِنَّ دَمَهَا هَدَرٌ'۔

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک نابینا شخص تھا، اس کی ایک (امّ ولد) لونڈی تھی جس سے اس کے دو بچے تھے، وہ اکثر اللہ کے رسول ﷺ کو بُرا بھلا کہتی۔ نابینا اسے ڈانٹتا لیکن وہ نہ مانتی، منع کرتا تو وہ باز نہ آتی۔ ایک رات اس نے نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے بُرا بھلا کہا، وہ شخص کہتا ہے: مجھ سے صبر نہ ہوسکا، میں نے خنجر اٹھایا اور اس کے

پیٹ میں دھنسا دیا، وہ مرگئی۔صبح جب وہ مردہ پائی گئی تو لوگوں نے اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: میں اسے خدا کی قسم دیتا ہوں جس پر میرا حق ہے (کہ وہ میری اطاعت کرے) جس نے یہ کام کیا ہے وہ اٹھ کھڑا ہو، یہ سن کر وہ نابینا گرتا پڑتا آگے بڑھا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ میرا کام ہے، یہ عورت میری لونڈی تھی اور مجھ پر بہت مہربان اور میری رفیق تھی۔ اس کے بطن سے میرے دو ہیرے جیسے بچے ہیں، لیکن وہ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُرا کہتی تھی، میں منع کرتا تو نہ مانتی، جھڑکتا تو بھی نہ سنتی، آخر گزشتہ رات اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کیا اور آپ ؐ کی گستاخی کی، میں نے خنجر اٹھایا اور اس کے پیٹ میں مارا، یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب لوگو گواہ رہو، اس لونڈی کا خون رائیگاں ہے۔'' (صحیح سنن نسائی: ۳۷۹۴، سنن ابوداود: ۴۳۶۱ 'صحیح')

۳۔ عمیر بن اُمیہ کا اپنی گستاخ بہن کو قتل کرنا

'عَنْ عُمَيرِ بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّهُ كَانَتْ لَهُ أُخْتٌ فَكَانَ إِذَا خَرَجَ إِ ☐ لَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم آذَتْهُ فِيهِ وَ شَتَمَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم وَكَانَتْ مُشْرِكَةً فَاشْتَمَلَ لَهَا يَوْمًا عَلَى السَّيْفِ ثُمَّ أَتَاهَا فَوَضَعَهُ عَلَيْهَا فَقَتَلَهَا فَقَامَ بَنُوهَا فَصَاحُوا وَقَالُوا قَدْ عَلِمْنَا مَنْ قَتَلَهَا أَفَتُقْتَلُ أُمُّنَا وَهَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَهُمْ آبَاءٌ وَأُمَّهَاتٌ مُشْرِكُون فَلَمَّا خَافَ عُمَيْرٌ أَنْ يَقْتُلُوا غَيْرَ قَاتِلِهَا ذَهَبَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ: أَقَتَلْتَ أُخْتَكَ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: وَلِمَ؟ قَالَ: إِنَّهَا كَانَتْ تُؤْذِينِي فِيكَ فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم إِلَى بَنِيهَا فَسَأَلَهُمْ، فَسَمَّوْا غَيْرَ قَاتِلِهَا، فَأَخْبَرَهُمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم وَأَهْدَرَ دَمَهَا'۔

''حضرت عمیر بن اُمیہؓ کی ایک بہن تھی۔ جب یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے کے لئے نکلتے تو یہ اُنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اذیت دیتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتی، وہ مشرک تھی۔ ایک دن عمیر نے اس کے لئے تلوار لپیٹ کر ساتھ اٹھالی اور اس کے پاس آئے اور اس سے قتل کردیا۔ اس عورت کے بیٹے کھڑے ہوگئے اور چیخنے لگے اور کہنے لگے: ہمیں معلوم ہے، اسے کس نے قتل کیا؟ یہ کیسے ہوا کہ ہماری ماں قتل کردی گئی جبکہ ان لوگوں کے ماں باپ بھی مشرک ہیں؟ جب عمیرؓ کو خطرہ لاحق ہوا کہ وہ کہیں اس کے قاتل کی بجائے کسی دوسرے کو قتل نہ کردیں تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور سارے معاملے کی خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے اپنی بہن کو قتل کردیا ہے؟

انہوں نے کہا: ہاں! نبی کریم ﷺ نے پوچھا: تو نے اسے کیوں قتل کیا ہے؟ عمیرؓ نے جواب دیا: وہ آپ ﷺ کو بُرا بھلا کہہ کر مجھے تکلیف دیتی تھی۔ آپ ﷺ نے اس عورت کے بیٹوں کی طرف پیغام بھیج کر، ان سے قاتلوں کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کسی اور کا نام لیا۔ آپ ﷺ نے انہیں صحیح قاتل کے بارے میں بتایا اور اس عورت کا خون رائیگاں قرار دیا۔'' (مجمع الزوائد ۲۶۰/۶، رواتہ ثقات)

۴۔ بنوخطمہ کی گستاخ عورت کا قتل

'عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ أَبِیہِ أَنَّ عَصْمَاءَ بِنْتَ مَرْوَانَ مِنْ بَنِی أُمَیَّۃَ بْنِ زَیْدٍ کَانَتْ تَحْتَ یَزِیدَ بْنِ زَیْدِ بْنِ حُصَیْنٍ الْخُطَمِی وَ کَانَتْ تُؤْذِی النَّبِیَّ ﷺ وَ تُعِیبُ الإِسْلاَمَ وَ تُحَرِّضُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَ قَالَتْ: فَبِإِسْتِ بَنِی مَالِکٍ وَ النَّبِیبِ وَ عَوْفٍ وَ بِإِسْتِ بَنِی الْخَزْرَجِ أَطَعْتُمْ أَتَاوِیَ مِنْ غَیرِکُمْ فَلاَ مِنْ مُرَادٍ وَ لاَ مُذْحَجٍ تَرْجُونَہُ بَعْدَ قَتْلِ الرُّؤُسِ کَمَا تُرْتَجَی مِرَقُ الْمُنْضَجِ وَ قَالَ عُمَیرُ بْنُ عَدِی الْخُطَمِی: حِینَ بَلَغَ قَوْلُھَا وَ تَحْرِیضُھَا اللّٰھُمَّ إِنَّ لَکَ عَلَیَّ نَذْرٌ لَئِنْ رَدَدْتَ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ إِلَی الْمَدِینَۃِ لأَقْتُلَنَّھَا وَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ بِبَدْرٍ فَلَمَّا رَجَعَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ مِنْ بَدْرٍ جَاءَ عُمَیرُ بْنُ عَدِیٍ فِی جَوْفِ اللَّیْلِ حَتَّی دَخَلَ عَلَیْھَا فِی بَیْتِھَا وَ حَوْلَھَا نَفَرٌ مِنْ وُلْدِھَا نِیَامٌ مِنْھُمْ مَنْ تُرْضِعُہُ فِی صَدْرِھَا فَحَسَّھَا بِیَدِہِ فَوَجَدَ الصَّبِیَّ تُرْضِعُہُ فَنَحَاہُ عَنْھَا ثُمَّ وَضَعَ سَیْفَہُ عَلَی صَدْرِھَا حَتَّی أَنْفَذَہُ مِنْ ظَھْرِھَا ثُمَّ خَرَجَ حَتَّی صَلَّی الصُّبْحَ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِیُّ ﷺ نَظَرَ إِلَی عُمَیرٍ فَقَالَ: أَقَتَلْتَ بِنْتَ مَرْوَانَ؟ قَالَ۔ نَعَمْ۔ بِأَبِی أَنْتَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ وَ خَشِیَ عُمَیرُ أَنْ یَکُونَ أَفْتَاتَ عَلَی رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ بِقَتْلِھَا فَقَالَ: ھَلْ عَلَیَّ فِی ذٰلِکَ شَیئٌ یَا رَسُولَ اللّٰہِ؟ قَالَ: لاَ یَنْتَطِحُ فِیھَا عَنْزَانِ فَإِنَّ أَوَّلَ مَا سَمِعْتُ ھٰذِہِ الْکَلِمَۃَ مِنْ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ عُمَیرُ: فَالْتَفَتَ النَّبِیُّ ﷺ إِلَی مَنْ حَوْلَہُ فَقَالَ: إِذَا أَحْبَبْتُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَی رَجُلٍ نَصَرَ اللّٰہَ وَ رَسُولَہُ بِالْغَیبِ فَانْظُرُوا إِلَی عُمَیرِ بْنِ عَدِیٍّ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: اُنْظُرُوا إِلَی ھٰذَا الأَعْمَی الَّذِی تَسْرِی فِی طَاعَۃِ اللّٰہِ فَقَالَ: لاَ تَقُلِ الأَعْمَی، وَ لٰکِنَّہُ الْبَصِیرُ۔ فَلَمَّا رَجَعَ عُمَیرُ مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ وَجَدَ بَنِیھَا فِی جَمَاعَۃٍ یَدْفِنُونَھَا فَأَقْبَلُوا إِلَیہِ حِینَ رَأَوْہُ مُقْبِلًا مِنَ الْمَدِینَۃِ فَقَالُوا: یَا عُمَیرُ أَنْتَ قَتَلْتَھَا فَقَالَ: نَعَمْ۔ فَکِیدُونِ جَمِیعًا ثُمَّ لاَ تُنْظِرُونِ۔ وَ الَّذِی نَفْسِی بِیَدِہِ

لَوْ قُلْتُمْ بِأَجْمَعِكُمْ مَا قَالَتْ لَضَرَبْتُكُمْ بِسَيفِي هَذَا حَتَّى أَمُوتَ أَوْ أَقْتُلَكُمْ فَيَوْمَئِذٍ ظَهَرَ الإِسْلَامُ فِي بَنِي خُطَمَةَ وَكَانَ مِنْهُمْ رِجَالٌ يَسْتَخْفُونَ بِالإِسْلَامِ خَوْفًا مِنْ قَوْمِهِمْ

''حضرت عبداللہ بن حارث بن فضل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عصما بنت مروان جو بنو اُمیہ بن زید خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور یزید بن زید بن حصین خطمی کی بیوی تھی۔ یہ نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتی، اسلام پر عیب جوئی کرتی اور لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے خلاف اُبھارتی تھی اور اکثر یہ اشعار پڑھا کرتی تھی: ''بنو مالک، نبیب اور عوف کی سرین اور بنوخزرج کی سرین کی تم پیروی کرتے ہو۔کیا وہ تمہیں دوسرے سے پناہ دیتی ہے، جبکہ نہ اس سے مراد پوری ہوتی ہے اور نہ بچہ جنم لیتا ہے۔تم سروں کے کٹنے کے بعد اس سے ایسے ہی امید کرتے ہو جیسے گوشت بھننے کے لئے لگائی گئی سلاخ سے شوربے کی اُمید کی جائے۔''

عمیر بن عدی خطمی کہتے ہیں: جب اس عورت کے یہ اشعار اور نبی کریم ﷺ کے خلاف ترغیب مجھ تک پہنچی تو میں نے نذر مان لی کہ اے اللہ! اگر تو نے اپنے رسول ﷺ کو مدینہ لوٹا دیا تو میں اس عورت کو ضرور قتل کروں گا۔ اس روز رسول اللہ ﷺ بدر میں تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس آئے تو عمیر بن عدیؓ رات کی تاریکی میں اس کے گھر میں داخل ہوگئے۔ اس وقت اس کے اردگرد اس کے بچے سوئے ہوئے تھے جن میں سے ایک کو وہ اپنا دودھ پلا رہی تھی۔ جب اس نے اپنے ہاتھ سے چھوکر دیکھا تو اس کو لگا کہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔عمیرؓ نے بچہ اس سے علیحدہ کیا اور اپنی تلوار اس کے سینے پر رکھی اور اس کے پیٹ کے پار اُتار دی۔ پھر وہ وہاں سے نکلے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ نبی کریم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے اور عمیرؓ کی طرف دیکھا تو فرمایا: کیا تو نے مروان کی بیٹی کو قتل کر دیا ہے؟ عمیرؓ نے جواب دیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔عمیرؓ کو ڈر محسوس ہوا کہ کہیں اس کے قتل کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ ناراض نہ ہوں۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس کا مجھ پر کوئی گناہ تو نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بارے میں کوئی دو رائے نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہ محاورہ پہلی مرتبہ سنا تھا۔عمیرؓ کہتے ہیں! پھر نبی کریم ﷺ اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اگر تم کسی ایسے آدمی کو دیکھنا پسند کرو جس نے غیب میں اللہ اور

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کی ہے تو عمیرؓ بن عدی کو دیکھ لو۔ عمر بن خطابؓ نے کہا کہ اس نابینے کی طرف دیکھو جو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں چلتا ہے، آپؐ نے فرمایا: اسے نابینا مت کہو یہ تو بینا ہے۔ عمیرؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سے واپس لوٹے تو اپنے بیٹوں کو لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر اسے دفن کرتے ہوئے پایا، جب ان لوگوں نے انہیں مدینہ کی جانب سے آتے ہوئے دیکھا تو ان کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: اے عمیرؓ! کیا تم نے اسے قتل کیا ہے؟ عمیرؓ نے جواب دیا: ہاں! چاہو تو تم سب میرے خلاف تدبیر کر لو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم سب بھی وہی بات کہو جو اس نے کہی تھی تو میں تم سب کو اپنی تلوار سے قتل کر دوں گا یا خود مر جاؤں گا۔ یہی وہ دن تھا کہ بنوخطمہ قبیلے میں اسلام غالب ہوا ورنہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنی قوم کے ڈر سے اسلام کو حقیر سمجھتے تھے۔''

(المغازی للواقدی ۱/ ۶۴، ۱۷۳، الصارم المسلول علی شاتم الرسول ۹۴، ۹۵، مجمع الزوائد: ۶/ ۲۶۰)

۵۔ عبداللہ بن خطل اور عبداللہ بن ابی سرح کا واقعہ

یہ شخص پہلے مسلمان ہو گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے عاملِ زکوٰۃ بنا کر بھیجا تو صدقات وصول کرنے کے بعد راستے میں اپنے غلام سے ناراض ہو کر اسے قتل کر دیا اور خود مرتد ہو گیا۔ صدقات کے اونٹ ساتھ لے گیا اور جا کر مشرکین مکہ سے مل گیا۔ یہ نبی کریمؐ کی شان میں ہجوگوئی کیا کرتا اور اپنی دو لونڈیوں کو کہتا کہ ان اشعار کو گا کر لوگوں کو سناؤ۔ قرتنی اور قریبہ اس کی لونڈیوں کے نام تھے۔ جن میں سے ایک ماری گئی اور دوسری نے امان کی درخواست کی جسے امان دے دی گئی۔ (الصارم المسلول: ۱۳۲، زرقانی شرح موطا: ۲/ ۳۱۵، ۳۱۴، المغازی: ۲/ ۸۶۰، ۸۵۹)

جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار اشخاص اور دو عورتوں کے ماسوا سب کو امان دے دی۔ مُصعب بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

'اقتلوهم وإن وجدتموهم متعلقين بأستار الكعبة: عكرمة بن أبي جهل وعبد الله بن خطل ومقيس بن صبابة وعبد الله بن سعد بن أبي السرح فاستبَق إليه سعيد بن حُريث وعمار بن ياسر فسبق سعيد عمارًا وكان أشب الرجلين فقتله... وأما عبد الله بن أبي سرح فإنه اختبأ عند عثمان بن عفان فلما دعا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الناس إلى البيعة جاء به حتى أوقفه على النبي۔

قال: یا رسول اللہ بایع عبد اللہ۔ قال فرفع رأسه فنظر إلیه ثلاثًا کل ذلک یأبی۔ فبایعه بعد ثلاث ثم أقبل علی أصحابه فقال: أما کان منکم رجل رشید یقوم إلی هذا حیث رأني کففت یدي عن بیعته فیقتله فقالوا: وما یدرینا یا رسول اللہ! ما في نفسک هلا أومأت إلینا بعینک؟ قال إنه لا ینبغي لنبي أن یکون له خائنة أعین' (سنن نسائی: ۴۰۷۲، بخاری: ۱۸۴۶)

''ان افراد کو جہاں بھی پاؤ حتیٰ کہ کعبہ کے پردوں سے لٹکے ہوئے بھی ملیں تو ان کو قتل کردو: عکرمہ، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح۔ چنانچہ سعید بن حریث اور عمار بن یاسر نے عبداللہ بن خطل کو (بیت اللہ کے پردوں پر لٹکا) پالیا تو سعید نے زیادہ جوان ہونے کی وجہ سے عمار پر سبقت کرکے اسے قتل کردیا...... جبکہ عبداللہ بن سرح نے حضرت عثمانؓ کے پاس پناہ لے لی۔ پھر جب نبی کریمؐ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا تو حضرت عثمان نے عبداللہ کو وہاں پیش کردیا اور نبی کریم ﷺ کو سفارش کی کہ اس سے بیعت فرما لیجئے۔ آپ نے تین بار سر اُٹھا کر عبد اللہ بن سرح کو دیکھا لیکن اس کا اسلام قبول نہ کیا، آخرکار تیسری بار اس سے بیعت کرلی۔ پھر اپنے صحابہ سے گویا ہوئے: کیا تم میں کوئی سمجھ دار شخص نہیں تھا کہ جب میں عبداللہ کی بیعت قبول کرنے سے انکار کررہا تھا تو وہ عبداللہ کو قتل کردیتا؟ صحابہؓ نے جواب دیا: ہمیں کیسے اس بات کا پتہ چلتا (کہ اس کو قتل کردیا جائے)؟ آپ ہمیں آنکھ سے ہی اشارہ فرمادیتے تو نبی کریم ﷺ نے جواب دیا کہ کسی نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ آنکھوں سے اشارے کرے۔''

فتح الباری میں عبداللہ بن ابی سرح کا جرم ارتداد ذکر کیا گیا ہے۔ (۱۲/ ۹۵) جبکہ بعض دیگر کتب سیرت میں اس کو توہین رسالت کا مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔

بعض دیگر واقعات

۶۔ 'عن البراء بن عازب قال بعث رسول اللہ إلی أبي رافع الیهودي رجالا من الأنصار فأمّر علیهم عبد اللہ بن عتیک وکان أبو رافع یؤذي رسول اللہ ویعین علیه'۔ (صحیح بخاری: ۴۰۳۹)

''رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لئے چند انصار کا انتخاب فرمایا جن پر عبد اللہ بن عتیکؓ کو امیر مقرر کیا گیا۔ اور یہ ابو رافع رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیا کرتا تھا اور آپ کے خلاف

لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔'' (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباری: ۷/۲۴۳، ۳۴۳، تاریخ طبری: ۳/۶)

۷۔ 'عَنْ عُرْوَةَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بِلْقِين: أَنَّ امْرَأَةً سَبَّتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَتَلَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ'۔ (السنن الکبریٰ از امام بیہقی ۸/۲۰۳)

''حضرت عروہ بن محمد بلقین کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے نبی کریم ﷺ کو بُرا بھلا کہا تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسے قتل کر دیا۔''

عَنْ رَجُلٍ مِنْ بِلْقِيْن أَوْ قَالَ أُلْفِيَنَّ: أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تَسُبُّ النَّبِيَّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ يَكْفِيْنِيْ عَدُوِّيْ؟ فَخَرَجَ إِلَيْهَا خُالِدُ بْنُ الْوَلِيْدُ فَقَتَلَهَا'۔ (مصنف عبد الرزاق: ۹۷۰۵، المحلی از ابن حزم: ۱۱/۴۱۳، الشفاء: ۲/۹۵۱)

''ایک عورت نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی، تو آپ نے فرمایا: میرے اس دشمن سے کون میرا بدلہ لے گا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ گئے اور جا کر اس کو قتل کر دیا۔''

۸۔ 'عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ يَهُودِيَّةً كَانَتْ تَشْتُمُ النَّبِيَّ وَتَقَعُ فِيهِ فَخَنَقَهَا رَجُلٌ حَتَّى مَاتَتْ فَأَبْطَلَ النَّبِيُّ دَمَهَا'۔ (السنن الکبریٰ از امام بیہقی ۷/۶۰، سنن ابو داود: ۴۳۶۲ 'ضعیف')

''حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ کو گالی دیتی تھی اور آپؐ کی شان میں گستاخی کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ کر قتل کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دے دیا۔'' (یعنی خون کا قصاص نہیں لیا)

۹۔ 'عن عِكْرِمَةَ مَولَى ابنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَبِيَّ ﷺ سَبَّهُ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ: مَنْ يَكْفِينِي عَدُوِّي؟ فَقَالَ الزُّبَيرُ: أَنَا۔ فَبَارَزَهُ الزُّبَيرُ۔ فَقَتَلَهُ فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ ﷺ سَلَبَهُ'۔ (مصنف عبد الرزاق ۵/۲۳۷، ۳۰۷، رقم ۹۴۷۷)

''حضرت عکرمہ جو ابن عباسؓ کے غلام ہیں، ان سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ایک مشرک نے گالی دی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے دشمن سے میرا بدلہ کون لے گا؟ حضرت زبیرؓ نے کہا: میں! حضرت زبیرؓ نے اس مشرک کو للکارا اور اسے قتل کر دیا، نبی کریم ﷺ نے مشرک کا مال غنیمت اُنہیں عطا کر دیا۔''

اس کے علاوہ بھی چند واقعات علمائے سیر نے درج کئے ہیں مثلاً

۱۰۔ حویرث بن نقید کی ہجوطرازی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس کا خون جائز قرار دیا تو حضرت علیؓ نے اس کا کام تمام کردیا۔ (المغازی از واقدی: ۲/۸۵۷)

۱۱۔ بنوعمرو بن عوف کے شخص ابوعفک کا قتل: یہ ۱۲۰ سالہ بوڑھا شخص مدینہ منورہ آکر لوگوں کو آپؐ کی عداوت پر بھڑکایا کرتا، بالخصوص غزوۂ بدر کے بعد اس نے صحابہؓ اور حضورؐ کی شان میں ہجویہ قصیدہ کہا چنانچہ سالم بن عمیر نے اسے قتل کردیا۔ (الصارم المسلول: ص ۱۰۴)

۱۲۔ انس بن زنیم دیلی نے معاہد ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گوئی کی، چنانچہ خزاعہ قبیلہ کے ایک نوجوان نے اس پر حملہ کر کے اس کے سر پر لکڑی کی چوٹ ماری۔ لیکن اس نے اپنے گناہ کی معافی، اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں مدح گوئی کی اور معافی کا طالب ہوا۔ **رحمۃ للعالمین** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون پہلے رائیگاں قرار دینے کے باوجود اُسے معاف کردیا۔
(المغازی: ۲/۷۹۱، الصارم المسلول: ص ۱۰۶)

۱۳۔ ایک نصرانی شخص کے بارے میں ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی تھیں جس پر اس کو قتل کردیا گیا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق: ج ۵/ص ۳۰۷)

۱۴۔ سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؓ اور زبیرؓ سے فرمایا: جاؤ اگر وہ مل جائے تو اسے قتل کردو۔ (ایضاً: ج ۵/ص ۳۰۸)

۱۵۔ قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب الشفاء میں ابن قانع سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں نے اپنے والد کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے سنا تو یہ مجھ سے برداشت نہ ہوسکا، اس لئے میں نے اسے قتل کردیا۔ تو آپ نے اس سے باز پرس نہیں فرمائی (الشفاء: ۲/۴۸۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے یا آپ کو جھٹلانے والے کی سزا

اسلام کی رو سے جہاں ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیر معمولی عصمت وتقدس حاصل ہے، وہاں فرمانِ نبوی کی حیثیت بھی انتہائی قابل احترام ہے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ کسی قول کا بھی الزام عائد کرتا پھرے۔ ایسی کوتاہی پر جہاں زبانِ رسالت سے جہنم کی وعید صادر

ہوئی ہے، وہاں دنیا میں بھی یہ امر سنگین سزا کا مستوجب ہے۔حتی کہ زیر نظر واقعہ میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کو قتل تک کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

'عَنْ سعید بن جبیر قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَی قَرْیَةٍ مِنْ قُرَی الأَنْصَارِ فَقَالَ:إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَرْسَلَنِی إِلَیکُمْ وَ أَمَرَنِی أَنْ تُزَوِّجُونِی فُلاَنَةَ قَالَ: فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَھْلِھَا: جَائَنَا ھٰذَا بِشَیئٍ مَانَعْرِفُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنْزِلُوا الرَّجُلَ وَأَکْرِمُوهُ حَتّٰی آتِیکُمْ بِخَبَرِ ذٰلِکَ فَأَتَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَذَکَرَ ذٰلِکَ لَهُ فَأَرْسَلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلِیًّا وَالزُّبَیرَ فَقَالَ: إِذْھَبَا فَإِنْ أَدْرَکْتُمَاهُ فَاقْتُلاَهُ وَلاَ أَرَاکُمَا تُدْرِکَانِهِ قَالَ: فَذَھَبَا فَوَجَدَاهُ قَدْ لَدَغَتْهُ حَیَّةٌ فَقَتَلَتْهُ فَرَجَعَا إِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَأَخْبَرَاهُ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ'۔

(دلائل النبوۃ از بیہقی ۲۸۴/۶...... البتہ اس حدیث کا آخری حصہ صحیح بلکہ متواتر ہے، اس حدیث کی سند میں عطاء بن سائب ہے جس کی قبل از اختلاط علما نے توثیق کی ہے۔سیر اعلام النبلاء ۱۱۰/۶)

''حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی تھا، وہ انصار کی ایک بستی کی طرف آیا اور کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہاری طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ تم فلاں عورت کی مجھ سے شادی کروا دو۔ اس عورت کے خاندان کے ایک آدمی نے کہا کہ یہ ہمارے پاس ایسی خبر لایا ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اس آدمی کو عزت سے بٹھاؤ، یہاں تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے کوئی اطلاع نہ لے آؤں۔ چنانچہ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بات کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ جاؤ، اگر تم اسے پاؤ تو قتل کر دینا، میرا نہیں خیال کہ تم اُسے پالو گے۔ وہ دونوں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اسے ایک سانپ نے ڈس کر ہلاک کر دیا ہے۔ اُنہوں نے واپس آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ سے غلط بات منسوب کرتا ہے، اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے۔''

ایسے ہی جو مسلمان شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم نہ کرے، تو اس کو قتل کر دینے کا تذکرہ بھی زیر نظر حدیث میں ملتا ہے۔ راقم کے پیش نظر یہاں ان واقعات کی تفصیلی بحث پیش نظر نہیں، اس لئے یہ واقعہ بلا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

'عَنْ مکحول قَالَ: کَانَ بَیْنَ رَجُلٍ مِّنَ الْمُنَافِقِینَ وَرَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِینَ مُنَازَعَۃٌ فِی شَیئٍ فَأَتَیَا رَسُولَ اللّٰہ ﷺ فَقَضَی عَلَی الْمُنَافِقِ فَانْطَلَقَا إِلَی أَبِی بَکْرٍ فَقَالَ: مَاکُنْتُ لأَقْضِی بَینَ مَنْ یَرْغَبُ عَنْ قَضَاءِ رَسُولِ اللّٰہ ﷺ فَانْطَلَقَا إِلَی عُمَرَ فَقَصَّا عَلَیْہِ فَقَالَ عُمَرُ: لاتَعْجَلاَ حَتَّی أَخْرُجَ إِلَیْکُمَا فَدَخَلَ فَاشْتَمَلَ عَلَی السَّیفِ وَخَرَجَ فَقَتَلَ الْمُنَافِقَ ثُمَّ قَالَ ھَکَذَا أَقْضِی بَینَ مَنْ لَمْ یَرْضَ بِقَضَاءِ رَسُولِ اللّٰہ ﷺ فَأَنْزَلَ اللّٰہ {فَلاَ وَرَبِّکَ لاَیُؤْمِنُونَ حَتَّی یُحَکِّمُوکَ۔۔۔} فَسُمِّیَ الْفَارُوقُ'۔ (تفسیر درمنثور:۲/۱۸۱،تفسیر ابن کثیر:۱/۵۸۹)

''حضرت مکحول بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی مسلمان اور منافق کے درمیان، کسی بات پر جھگڑا ہوگیا، وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافق کے خلاف فیصلہ فرما دیا۔ پھر وہ دونوں حضرت ابوبکرؓ کی طرف چلے گئے، انہوں نے کہا: جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کونہیں مانتا، میں اس کے درمیان فیصلہ نہیں کرسکتا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا۔عمرؓ نے کہا: میرے واپس آنے تک تم یہیں ٹھہرنا، حضرت عمرؓ گھر سے تلوار سونت کر آئے اور منافق کو قتل کر دیا اور کہا: جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا، اس کے لئے میں اسی طرح فیصلہ کرتا ہوں۔ پھر اللہ نے یہ آیت نازل کردی۔ {فَلاَ وَرَبِّکَ لاَیُؤْمِنُونَ حَتَّی یُحَکِّمُوکَ} اسی وجہ سے حضرت عمرؓ کا لقب 'فاروق' پڑ گیا۔''

یہی واقعہ ایک اور حدیث میں یوں بھی بیان ہوا ہے کہ:

'عن أبي الأسود قَالَ: اِخْتَصَمَ رَجُلاَنِ إِلَی رَسُولِ اللّٰہ ﷺ فَقَضَی بَیْنَھُمَا فَقَالَ الَّذِی قُضِیَ عَلَیْہِ رُدَّنَا إِلَی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَتَیَا إِلَیْہِ فَقَالَ الرَّجُلُ: قَضَی لِی رَسُولُ اللّٰہ ﷺ عَلَی ھَذَا، فَقَالَ رُدَّنَا إِلَی عُمَرَ فَقَالَ: أَکَذَلِکَ؟قَالَ نَعَمْ۔فَقَالَ عُمَرُ: مَکَانَکُمَا حَتَّی أَخْرُجَ إِلَیْکُمَا فَأَقْضِي بَیْنَکُمَا فَخَرَجَ إِلَیْھِمَا مُشْتَمِلاً عَلَی سَیْفِہِ فَضَرَبَ الَّذِي قَالَ: رُدَّنَا إِلَی عُمَرَ، فَقَتَلَہُ فَأَنْزَلَ اللّٰہ {فَلاَوَرَبِّکَ لاَیُؤْمِنُونَ حَتَّی یُحَکِّمُوکَ۔۔۔}

(لباب النقول ۱/۹۰؛ درمنثور ۲/۱۸۰)

''حضرت ابو اسود بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک جھگڑا لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا، اس نے کہا کہ عمرؓ کے پاس چلتے ہیں۔ جب وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو دوسرے آدمی (جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا تھا) نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کے خلاف میرے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے، لیکن اس نے کہا: عمرؓ کے پاس چلئے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا: کیا ایسے ہی ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں! حضرت عمرؓ نے کہا: تم دونوں یہیں ٹھہرو، میں ابھی آ کر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ تلوار سونت کر آئے اور جس نے کہا تھا کہ عمرؓ کے پاس چلو، اسے قتل کر دیا۔ اللہ نے یہ آیت نازل فرما دی: {فَلاَ وَرَبِّکَ لاَیُؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ۔۔۔} ''تیرے ربّ کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے، جب تک تجھے اپنے جھگڑوں میں قاضی تسلیم نہ کرلیں۔'' (النساء ۴: ۶۵)

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں (۳/ ۹۹۴) اور دیگر اہل علم نے اس حدیث کو ابن لہیعہ کے طریق سے روایت کیا ہے لیکن یہ طریق ضعیف ہے۔ البتہ ابو مغیرہ اور شعیب بن شعیب کے طرق سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ لہٰذا حافظ ابن کثیر نے ان شواہد کی بنا پر اس روایت کو قوی شمار کیا ہے۔ (مسند الفاروق: ۲/ ۸۷۶، بحوالہ أقضیة الخلفاء الراشدین: ۲/ ۱۱۸۸)۔

ڈاکٹر محمد امین

توہینِ رسالت
کیا اسلام قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت دیتا ہے؟

بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ کیا اسلام فرد کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت دیتا ہے؟ اور اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ اسلام تو امن کا دین ہے جو اپنے پیروکاروں کو ہر حالت میں قانون کی پیروی کا حکم دیتا ہے۔ جب اسلام میں توہین رسالت کی سزا موت مقرر ہے تو جس آدمی پر الزام ہو کہ

اس نے توہین رسالت کی ہے تو اسے عدالت کے حوالے کر دینا چاہیے کہ اگر جرم ثابت ہوجائے تو عدالت اسے سزا دے لیکن کسی فرد کو کوئی حق نہیں کہ وہ قانون کو ہاتھ میں لے، خود فیصلہ کرے اور ملزم کو قتل کردے۔ اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ اس طرح جذبات میں آکر کسی کو قتل کردینا یا قتل کرنے والے کو سراہنا عدم برداشت کا مظہر، جذباتیت اور انتہا پسندی ہے اور غیر مسلموں کے اس الزام کو سچ ثابت کرنا ہے کہ اسلام انتہا پسندی کی تعلیم دیتا ہے اور مسلمان انتہا پسند اور دہشت گرد ہوتے ہیں۔

بظاہر یہ سوال معقول لگتا ہے اور اس میں وزن محسوس ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت اور ان کی حکمت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ معاملات کو صحیح تناظر میں سمجھنے کے لیے کچھ چیزوں کا ادراک ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ مسلمان اہل مغرب سے الگ ایک منفرد ملت، معاشرہ اور تہذیب ہیں جن کے اپنے اصول وقوانین ہیں جن کی اپنی انفرادیت، اہمیت اور حکمت ہے لہٰذا ہمیں اہل مغرب کی فکر وتہذیب سے متاثر ہوکر ان کی پیدا کردہ ذہنی فضا میں نہ رہنا اور نہ سوچنا چاہیے۔ ساری دنیا کے ایک گاؤں بن جانے اور گلوبلائزیشن جیسے نعرے درحقیقت اہل مغرب کی اپنی ملحدانہ تہذیب کو ساری دنیا میں پھیلانے اور غالب کرنے کی کوششوں کا مظہر ہیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب یہ دیکھیے کہ مسلمانوں کے ہاں قانون کا تصور اہل مغرب اور غیر مسلموں سے الگ ہے۔ مسلمانوں کے ہاں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان قانون ہے جس سے وہ سرمو انحراف نہیں کرسکتے کیونکہ اسلام قبول کرنے اور مسلمان ہونے کا مطلب ہی اللہ کی (اور اس کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) غیر مشروط اطاعت ہے بلکہ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو ہم اللہ کو بھی رسول کی وجہ سے اور اس کے ذریعے ہی جانتے اور پہچانتے ہیں لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہماری محبت بالکل فطری ہے اور چونکہ یہ رسول ہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہمیں دین کی دولت ملتی ہے اور اللہ کی ہدایت ہم تک پہنچتی ہے لہٰذا اس رسول کے لیے ہمارے دل میں سپاس گزاری کے گہرے اور شدید جذبات پیدا ہونا اور اس سے ایسی شدید محبت ہونا جو ہر دوسری محبت پر غالب ہو، بالکل فطری اور سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اپنی جان، مال، اولاد، اور ساری دنیا سے بڑھ کر محبت کرتا ہے تو یہ نہ صرف صحیح اور فطری ہے بلکہ خود دین کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس محبت

اور گہرے تعلق کو پیدا کرنے اور بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو اس رسول کی اطاعت کرو میں تم سے محبت کرنے لگوں گا اور مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ رسول کی اطاعت کرو کہ اس کی اطاعت درحقیقت میری اطاعت ہے، اس کا کہا میرا کہا ہے۔ اس پر درود وسلام بھیجو کہ مَیں اور میرے فرشتے بھی اس پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ اگر اس کے فیصلوں پر تم دل سے راضی نہیں ہو تو تمہارا ایمان قابل قبول نہیں۔ اگر اس کی بارگاہ میں تم اونچی آواز سے بات بھی کرو گے تو تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔۔۔وغیرہ اور خود رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی فرماتے ہیں کہ تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک مَیں تمہیں تمہاری جان، مال، اولاد سب سے بڑھ کر عزیز نہ ہو جاؤں۔ چنانچہ مسلمان اپنی جان، مال، اولاد سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اور یہ عین دینی تقاضا اور ضرورت ہے بلکہ یہ مسلم امت کی بقاء و استحکام کا بنیادی سبب ہے چنانچہ علامہ اقبالؒ نے نہرو کو یہی جواب دیا تھا [جب اس نے اقبال پر قادیانیت کے خلاف بیان دینے پر جذباتی مولوی اور انتہا پسند ہونے کی پھبتی کسی تھی] کہ ہاں! مَیں اس معاملے میں جذباتی ہوں اور یہ جذباتیت ناگزیر ہی کہ یہ امت کی بقاء کا معاملہ ہے کیوں کہ مسلمان نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد اگر کسی اور کو بھی نبی مان لیں تو ظاہر ہے امت ٹوٹ جائے گی۔

اب جب یہ بات واضح ہوگئی کہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے محبت ایک دینی ضرورت اور تقاضا ہے، یہ جزو دین ہے اور مسلم امت کی بقاء واستحکام کا سبب ہے تو اس کی اہمیت وحکمت بھی ہم پر واضح ہوگئی کہ جو آدمی اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ کا اور اس ہدایت کا انکار کرتا ہے جو اس نے نازل کی ہے اور جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہانت اور گستاخی کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ کی اہانت کرتا ہے، پورے دین کی اہانت کرتا ہے اور پوری امت مسلمہ کی اہانت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے پورے دین کی نفی کرتا ہے کیونکہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور وہ اس کے سفیر اور نمائندہ ہیں۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی مسلمان رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہانت کا مرتکب ہو اور اگر کوئی ایسا کرے تو ظاہر ہے یہ اس کے دین و ایمان کی نفی ہے۔ یہ اس کے اسلام کا خاتمہ ہے بلکہ یہ اسلام کے خلاف بغاوت ہے اور وہ اسی سزا کا مستحق ہے جو ایک باغی کی ہوتی ہے۔ وہ فساد فی الارض کا بھی مرتکب ہوتا ہے اور فتنہ پھیلانے کا بھی۔

غیر مسلموں کو حق ہے کہ وہ اللہ کو اور اس کے رسول کو مانیں یا نہ مانیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ انہیں سمجھائیں لیکن اگر وہ نہ سمجھیں تو ان پر کوئی جبر نہیں لیکن انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہانت کریں جنہیں مسلمان اپنی جان، مال اور اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ظاہر ہے یہ اسلام اور مسلمانوں سے صریح دشمنی ہے اور ان کو ذلیل، رسوا اور بے عزت کرنے کے مترادف ہے اور وہ اسی سلوک کے مستحق ہیں جو دشمنوں سے کیا جاتا ہے۔ اگر مسلمان قادر ہوں تو ایسے دشمن سے قوت سے نمٹیں گے اور اگر قادر نہ ہوں تو شدید ترین احتجاج کریں گے اور ہر ممکن پُرامن ذریعہ اختیار کریں گے تاکہ اس فساد اور فتنہ کو ختم کیا جاسکے۔ ایسی صورت حال کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنا اور اس پر ردعمل ظاہر نہ کرنا بے حمیتی اور بے غیرتی ہے اور مسلمان کبھی بے غیرت اور بے حمیت نہیں ہوتا بلکہ یہ تو شرف انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ آیئے اب دیکھیں کہ اس بارے میں خود رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا طرز عمل کیا تھا اور جن لوگوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی میں آپؐ کی توہین و گستاخی کی ان سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کیا سلوک کیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کیا اور کہا وہ مسلمانوں کے لیے قانون ہے ــــ ایسا قانون جو ان کے لیے واجب الاتباع ہے اور وہ چاہیں بھی تو اسے بدل نہیں سکتے۔

سطور بالا میں ہم نے جو کچھ عرض کیا اس سے ظاہر ہے کہ غیر مسلموں کی طرف سے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت و اہانت کوئی شخصی معاملہ نہیں تھا اور نہ اس کی وجہ کوئی معاشی جھگڑا یا معاشرتی قضیہ تھا بلکہ یہ دین اسلام کی مخالفت اور دشمنی تھی، یہ اس پیغام کا راستہ روکنا تھا جس کی تبلیغ و اشاعت کا اللہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم دیا تھا اور جس پر انسانیت کی ہدایت اور فلاح کا مدار تھا لہٰذا جن لوگوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت میں دشمنی، بغاوت، فساد فی الارض اور فتنہ پروری کی راہ اختیار کی اور ہر ناجائز اور مکروہ طریقے سے دین کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کردار کشی کی راہ اپنائی اللہ نے ان پر لعنت کی اور انہیں قتل کرنے کا حکم دیا کہ وہ اسی کے مستحق تھے چنانچہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسے کئی آدمیوں کو قتل کرایا جو اس کار شنیع میں ملوث تھے یہاں تک کہ فتح مکہ والے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عامۃ الناس کو اعلانیہ عام معافی دے دی لیکن توہین رسالت کے ایک مرتکب کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (بطور قاضی) قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے موت کے

ڈر سے کعبہ کے پردوں میں جا کر چھپ گیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کے ہاں 'قانون' یہ ہے کہ جو رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کردار کشی کرے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہانت و گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے اور یہ قانون پچھلے چودہ سو سال سے مسلم معاشروں میں نافذ رہا ہے [گو پاکستان کی کتاب قانون میں حال ہی میں شامل کیا گیا ہے] بلکہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی اسی مذکورہ حکمت کی وجہ سے رسولوں کی اہانت کی سزا موت تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ میں سے تین آدمیوں نے مختلف مواقع پر ایسے اشخاص کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اجازت اور حکم کے بغیر غصے اور اشتعال میں آ کر قتل کر دیا جو ان کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُرا بھلا کہتے تھے، گالی دیتے تھے، اہانت اور گستاخی کرتے تھے اور منع کرنے سے باز نہیں آتے تھے بلکہ اس فعل بد کو دہراتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جب یہ واقعات پہنچے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان افراد کو غلط نہیں کہا اور نہ انہیں اس قتل کی کوئی سزا دی بلکہ فرمایا کہ وہ قابل مواخذہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد سے مسلمانوں میں 'قانون' یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ایسے شخص کو جذبات و اشتعال میں آ کر قتل کر دے جو اس کے سامنے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہانت و گستاخی کرے تو عدالت اس کا جائزہ لے گی اور اگر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مقتول واقعی توہین و گستاخیٔ رسول کا مرتکب ہوا تھا اور قاتل نے اسے حالت اشتعال میں اس وجہ سے قتل کر دیا تو وہ اسے بَری کر دے گی (جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا)۔ بلکہ اس کے بعد سے مسلمانوں میں یہ روایت پڑ گئی کہ اگر حکومت مسلمانوں کی نہ ہو (یا برائے نام اور غیر مؤثر اسلامی حکومت ہو) اور وہ گستاخ رسول کو سزا نہ دے تو مسلمان اپنی غیرت ایمانی کی بناء پر خود اس کو قتل کر دیتے ہیں اور خوشی و مسرت سے اس قتل کی سزا بھگت لیتے ہیں اور مسلمان عوام ایسے شخص کو ہیرو کا درجہ دے دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ محض اسلامی قانون سے ناواقفیت اور مغرب زدہ سیکولر ذہنوں کا پروپیگنڈا ہے کہ توہین رسالت کی سزا موت نہیں ہے۔ اگر عدالت میں ثابت ہو جائے کہ ملزم واقعتاً توہین رسالت موجبِ حد کا مرتکب ہوا ہے تو وہ موت کی سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اگر کوئی حکومت گستاخ رسول کو سزا نہ دے اور کوئی مسلمان غصے اور اشتعال میں ایسے شخص کو قتل کر دے تو عدالت کیس کا جائزہ لے کر اور

اس کے مؤقف کو صحیح پا کر اسے بَری کر سکتی ہے۔

یہاں بطور وضاحت دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں: ایک یہ کہ اسلام قانون کی پاسداری کا علمبردار ہے لیکن شدید اشتعال کی حالت میں توہین رسالت کے ملزم کو قتل کر دینا ایک استثنائی معاملہ ہے اور اس کا اطلاق اسلام کے کسی دوسرے قانون یا حدّ پر نہیں ہوتا سوائے توہین رسالت کے اور یہ استثناء قتل کا لائسنس اور اجازت نامہ نہیں ہے بلکہ اگر کوئی اس کی آڑ میں کسی کو ناجائز قتل کرتا ہے تو عدالت اس کو پھانسی کی سزا دے سکتی ہے (پاکستان کے موجودہ قانون میں ایسے شخص کے لیے پھانسی کی سزا موجود ہے)۔ دوسرے یہ کہ یہ اصول آسانی سے ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتا جن کے نزدیک حق کا معیار مغربی فکر و تہذیب یا مغرب کا قانون ہے۔ لیکن اگر وہ دقت نظر سے دیکھیں تو ان کی سمجھ میں بھی آ جائے گا (بشرطیکہ کوئی غیر جانبداری سے سمجھنا چاہے) مثلاً ہر مغربی ملک میں اس کے دستور کو توڑنے اور چیلنج کرنے والا غداری اور سزائے موت کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ آئین ان کے معاشرے کے لیے اہم ترین چیز ہے اور ان کے معاشرے کی بقاء اسی پر منحصر ہے۔ اسی طرح رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات گرامی مسلمانوں کے لیے اہم ترین ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت پر مسلم امت اور مسلم معاشرے کی بقاء و استحکام کا انحصار ہے لہٰذا جس طرح اہل مغرب کو آئین توڑنے والوں کو سزائے موت دینے کا حق ہے اسی طرح ہم کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنے والے کو سزائے موت دینے کا حق ہے۔

اسی طرح ہم میں اور مغرب میں فرق یہ ہے کہ ان کا قانون وہ ہے جو وہاں عوام اور ان کے نمائندے بنائیں۔ ہمارے ہاں قانون وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول بنائیں لہٰذا جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قانون بنا دیا کہ ان کی توہین کرنے والے کو اگر کوئی مسلمان غصے، جذبات اور اشتعال میں آ کر قتل کر دے تو وہ اسے سچا پا کر معاف کر دیں تو یہ صحیح اور valid قانون ہے اور آج بھی اسی پر عمل ہونا چاہیے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر 'اسلامی قانون' پاکستان کی قوانین کی کتابوں میں لکھا ہو۔ قانون کی تدوین اور تقنین تو اہل مغرب کی دیکھا دیکھی اب مسلمانوں نے شروع کی ہے ورنہ مسلمان جج پچھلے ۱۴ سو سال سے بغیر کسی منضبط تحریری کتاب قانون کے اسلامی قانون کے مطابق

فیصلے کرتے آئے ہیں اور آج بھی سعودی عرب میں ایسا ہورہا ہے۔ لہٰذا پاکستانی حکمرانوں اور جج حضرات کو اس طرح کے کسی معاملے میں فیصلہ 'اسلامی قانون' کے مطابق کرنا چاہیے نہ کہ 'مغربی قانون' کے یا نامکمل و ناقص پاکستانی قوانین کے مطابق (مضمون نگار اسلامی قانون میں پی ایچ ڈی اور سارے مکاتب فکر کے علماء کرام کی 'ملی مجلس شرعی' کے سیکرٹری ہیں)۔

ڈاکٹر محمد امین

قانونِ توہینِ رسالت — غلط استعمال کا پروپیگنڈا

گورنر پنجاب سلیمان تاثیر کے توہین رسالت کے الزام میں قتل کا جو واقعہ پیش آیا اس نے پاکستانی معاشرے کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور اسلام اور پاکستان کے مخالفین کو ان کے بارے میں انتہاپسندی کے پروپیگنڈے کا موقع دیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس طرح کا واقعہ دوبارہ نہ ہو لیکن یہ کہنا خلط مبحث اور غلط ہے کہ یہ واقعہ توہین رسالت ایکٹ کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے لہٰذا اس ایکٹ کو ختم کردینا چاہیے یا اس کے تحت سزا کم کردینی چاہیے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حکمرانوں، سیاستدانوں اور صحافیوں نے اس قانون کے بارے میں محتاط زبان استعمال کرنا شروع کردی ہے اور وہ اب اس قانون کے خلاف نہیں بولتے بلکہ انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ قانون تو صحیح ہے لیکن اس کا استعمال غلط ہورہا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے بعض مغرب زدہ سیکولر لوگ بعض دینی تعلیمات کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ ماحول اور معاشرے کا دباؤ اس کی اجازت نہیں دیتا لہٰذا وہ علماء کو بُرا کہنے لگتے ہیں کہ مولوی بُرا ہے اور مولوی غلط ہے۔

بہرحال ہم یہ کہہ رہے تھے کہ یہ بالکل غلط پروپیگنڈا ہے کہ گورنر پنجاب کا قتل توہین رسالت کے قانون کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ اس قانون پر مؤثر عمل درآمد نہ کرنے کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ علماء گورنر صاحب پر اہانت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا الزام لگا رہے تھے اور کئی لوگ تھانوں میں ان کے خلاف رپورٹ درج کرانے گئے لیکن انہیں یہ کہہ کر انکار کردیا گیا کہ گورنر صاحب کو آئین کی رو سے استثنیٰ حاصل ہے چنانچہ کوئی راہ کھلی نہ

پا کر ایک شخص نے مشتعل ہو کر انہیں قتل کر دیا۔

یاد رہے کہ پاکستان کے قانونی ڈھانچے میں اس قانون کے غلط استعمال سے بچنے کا انتظام پہلے سے موجود ہے (اور ایسا بطور استثنا صرف اس قانون کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے کیا گیا ہے حالانکہ دوسرے قوانین کا بھی غلط استعمال ہو رہا ہے مثلاً الزام قتل یا منشیات فروشی وغیرہ لیکن کسی قانون کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے خصوصی اقدامات نہیں کئے گئے سوائے قانونِ توہینِ رسالت کے) اور وہ یہ کہ عام محرر کی بجائے اس کی ایف آئی آر ایک ایس پی رینک کے افسر کی ابتدائی تفتیش کے بعد ہی کاٹی جاسکتی ہے۔

علاوہ ازیں پاکستان کے فوجداری ضابطے میں یہ قانون موجود ہے کہ اگر عدالت میں ثابت ہو جائے کہ کسی کے جھوٹے کیس کی وجہ سے کسی ملزم کو عمر قید کی سزا ہوئی ہو تو اسے بھی عمر قید کی سزا دی جائے گی اور اگر کسی کو پھانسی کی سزا ہو جائے تو جھوٹا مقدمہ قائم کرنے والے کو بھی پھانسی کی سزا دی جائے گی۔ عدالت، کیس کا خرچہ اور جرمانہ بھی اس جھوٹے مدعی پر ڈال سکتی ہے لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ پاکستان میں اس قانون کے غلط استعمال کو روکنے کی کوئی صورت موجود نہیں ہے۔

حال ہی میں ایک رپورٹ منظر عام پر آئی ہے (نوائے وقت ٦ جنوری ۲۰۱۰ء) جس کی رو سے آج تک اس قانون کے تحت ایک ہزار کیس رجسٹرڈ ہوئے ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی ہماری عدالتوں نے سزائے موت نہیں دی البتہ 37 ملزم عوام الناس کے ہاتھوں ضرور مارے گئے ہیں۔ یہ اعداد و شمار صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ قانون توہین رسالت پر مؤثر انداز میں عمل درآمد نہیں ہو رہا ۔کیوں نہیں ہو رہا؟ یہ بھی سوچنے کی بات ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ نچلی عدالتیں عام طور پر ایسے ملزموں کو جرم ثابت ہونے پر (بطور حد) سخت سزا دیتی ہیں لیکن اعلیٰ عدالتیں یا تو ملزموں کو (بظاہر جرم نہ ثابت ہونے پر) بَری کر دیتی ہیں یا بطور تعزیر ہلکی سزا دیتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے اس طرزِ عمل کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہیں؟ فنی امور سے قطع نظر جو چیز بظاہر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جوں ہی توہین رسالت کے کیس میں نچلی عدالت سے کسی کو سخت سزا کا اعلان ہوتا ہے مغربی دنیا

حرکت میں آجاتی ہے، ان کی مدد سے چلنے والی NGOs اس ''ظلم'' اور ''ناانصافی'' کے خلاف چیخ و پکار شروع کردیتی ہیں۔ مغرب زدہ سیکولر لوگ، خصوصاً وہ جو میڈیا میں کام کرتے ہیں یا جنہوں نے انسانی حقوق کے ادارے بنائے ہوئے ہیں، اس کے خلاف مہم شروع کردیتے ہیں۔ ہمارے حکمران بھی عموماً امریکہ و یورپ کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں لہٰذا انہی کے ایجنڈے کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مغربی ممالک کی تنظیمیں، ادارے بلکہ حکومتیں ان مجرموں کو اپنے ہاں پناہ دینے کی پیش کشیں کرنے لگتے ہیں۔ ان حالات میں ہماری حکومتیں اور شاید اعلیٰ عدالتیں بھی دباؤ میں آجاتی ہیں اور نتیجتاً آج تک توہینِ رسالت کے کسی ایک مجرم کو بھی پھانسی کی سزا نہیں دی گئی۔

اس تجزیے کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ محض پروپیگنڈا ہے اور غلط پروپیگنڈا ہے کہ پاکستان میں قانون توہین رسالت کا غلط استعمال ہورہا ہے۔ اور بہت سے سیاست دان اور دانشور اس غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر اور صحیح معلومات نہ ہونے کی بناء پر بلا سوچے سمجھے یہ کہنے لگتے ہیں کہ قانون توہین رسالت کا غلط استعمال ہورہا ہے اور اسے روکنے کی ضرورت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں حکومتیں اور اعلیٰ عدالتیں چونکہ بیرونی دباؤ سے متاثر ہوکر توہین رسالت کے مجرموں کو سزا نہیں دیتیں لہٰذا بعض جذباتی مسلمان مشتعل ہوکر ان ملزموں اور مجرموں کو قتل کردیتے ہیں لہٰذا اگر حکومت صدق دل سے یہ چاہتی ہے کہ توہین رسالت کے حوالے سے اس طرح کے قتل نہ ہوں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ حکومت اس قانون پر مؤثر طریقے سے عمل درآمد کرائے۔ غیر مسلم بیرونی طاقتوں کے دباؤ میں نہ آئے اور نہ یہ دباؤ اعلیٰ عدالتوں تک منتقل کرے اور منتقل ہونے دے۔ وہ مغربی امداد سے چلنے والی NGOs اور مغرب زدہ سیکولر سیاست دانوں، صحافیوں، دانشوروں، وکیلوں وغیرہ کے غلط پروپیگنڈے کی حوصلہ شکنی کرے اور ان کے دباؤ کو مسترد کردے تاکہ اگر کسی نے توہین رسالت کی ہے تو اسے سخت سزا ملے۔ جب دو چار ایسے مجرموں کو قانون کے مطابق پھانسی ہوگی اور لوگوں کا اعتماد حکومتوں اور اعلیٰ عدالتوں پر بحال ہوجائے گا اور انہیں وہاں سے انصاف ملنے کا یقین ہوگا تو لوگ قانون کو ہاتھ میں لینا چھوڑ دیں گے۔ حقیقت

یہ ہے کہ لوگ جن معاملات میں جذباتی ہوں ان میں اگر انہیں انصاف ملنے کی امید نہ ہوتو وہ قانون کو ہاتھ میں لینے پر خود کو مجبور پاتے ہیں لیکن اگر انہیں انصاف ملنے کی قوی امید ہوتو لامحالہ وہ صبر کریں گے۔ لہٰذا قانون توہین رسالت کے غلط استعمال کا پروپیگنڈا کرنے کی بجائے ضرورت اس چیز کی ہے کہ اس قانون کے مؤثر نفاذ کا راستہ اپنایا جائے۔

تحریک حرمت رسول: کامیابی کے بعد...

توہین رسالت کی مجرم آسیہ کی رہائی کے لیے حکومتی حلقوں کی کوششوں نے جو رُخ اختیار کیا اس کے ردعمل میں دینی قوتوں نے مل کر جو تحریک چلائی وہ الحمدللہ کامیاب ہوچکی ہے اور حکومت نے اسلام مخالف مغربی قوتوں کی اشیر باد اور دباؤ کے باوجود پسپائی اختیار کرلی ہے۔ اس پر اللہ کا شکر بجالانا چاہیے۔ ہم نے بھی ملی مجلس شرعی کے پلیٹ فارم سے حسب قوت و استطاعت اس میں حصہ ڈالنے کی کوشش کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں۔

آئندہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ دینی قوتوں کے اس اتحاد کو کوئی مستقل صورت دینی چاہیے تاکہ دین دشمن قوتیں ان کو آپس میں لڑانے ،فرقہ واریت پھیلانے اور پاکستانی مسلمانوں کو دین سے دور کرنے کے مشن میں کامیاب نہ ہوں۔ ملی مجلس شرعی علماء کرام کو مشترکات پر جمع ہونے، فروعی اختلافات سے درگزر کرنے اور عظیم دینی مقاصد کے لیے متحد ہونے کی دعوت دیتی رہی ہے اس کا مؤقف یہ رہا ہے کہ اگر علماء کرام اور دینی جماعتیں سیاسی طور پر متحد نہیں ہوسکتیں تو کم از کم علمی اور دعوتی شعبوں میں ہی وہ قریب آجائیں۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ سارے مکاتب فکر کے علماء کرام مل کر پاکستانی عوام تک یہ پیغام پہنچائیں کہ محبت رسولؐ کا دعویٰ اور حرمت رسولؐ کی جدوجہد ہی کافی نہیں بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس محبت کو اطاعت میں ڈھالا جائے اور عملی زندگی میں اہل مغرب کی اقدار وافکار پر عمل کرنے کی بجائے ہر معاملے میں خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔

اسی حوالے سے ملی مجلس شرعی نے کئی ماہ کی محنت سے متفقہ تعبیر شریعت اور نفاذ شریعت کے رہنما اصولوں کا ایک پیکج سارے مکاتب فکر کے علماء کرام کے ساتھ مل کر تیار کیا ہوا ہے۔ جلد ہی، ان شاء اللہ اس پر ایک ملک گیر سطح کا اجتماع بلایا جائے گا تا کہ ۲۲ نکات کی طرز پر علماء کرام نفاذ شریعت کے کچھ نکات پر متحد ہو جائیں تا کہ مستقبل میں جب بھی حالات بہتر ہوں اور کوئی نفاذ شریعت کا کام کرنا چاہے تو کم از کم وہ یہ سوال نہ اٹھا سکے کہ کون سی شریعت نافذ کرنی ہے اور اس کے لیے کیا اقدامات کرنے ہیں؟

قانون توہین رسالت کی مخالفت

حرمت رسول ﷺ کی حالیہ تحریک میں جاوید احمد غامدی صاحب اور ان کے تلامذہ نے پاکستان کے سارے مکاتب فکر کے علماء کرام اور پوری امت کے مؤقف سے اختلاف و انحراف کیا۔ اس سے پیشتر مولانا وحید الدین خان امت کے اس اکثریتی بلکہ اجماعی مؤقف کے خلاف لکھ چکے اور سلیمان رشدی کی حمایت کر چکے ہیں۔

تحریک کے دوران ملی مجلس شرعی اور تحریک حرمت رسول کی مجلس علمی کے ایک مشترکہ اجلاس میں غامدی صاحب کے مؤقف کا بھی ذکر ہوا جسے سب علماء کرام نے بالاتفاق رد کر دیا۔ ایک صاحب نے تو غامدی صاحب کے خلاف کفر کا فتویٰ دینے کا مطالبہ بھی کیا جبکہ اکثریت ان کی گمراہی پر متفق تھی کہ ان کا کام ہی قرآن و سنت کی من مانی تشریح اور انکار اجماع کے ذریعے اسلام کو مغرب کی خواہشات کے مطابق ڈھالنا ہے۔

اس اجتماع میں بعض احناف کے اختلافی مؤقف کا بھی تذکرہ ہوا۔ مفتی محمد خان قادری صاحب نے کہا کہ احناف کی بات ذرا ٹیکنیکل ہے اور وہ یہ کہ اس سے اہل ذمہ کا عہد ختم ہوتا ہے یا نہیں۔ ایک صاحب نے کہا کہ مغرب زدہ لوگوں کو یہاں اپنی جمہوریت کیوں یاد نہیں آتی اور جب پاکستانی عوام اور علماء کی بہت بڑی اکثریت اس قانون پر عمل درآمد کے حق میں ہے تو وہ پھر اس کی مخالفت

کیوں کرتے ہیں؟ اگر ماضی میں بعض علماء احناف کا مؤقف کچھ مختلف بھی رہا ہے تو آج علماء احناف تو سب اس پر متفق ہیں اور فیصلہ انہی کی رائے کے مطابق ہونا چاہیے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ فقہی اور قانونی امور پر غور وفکر سنجیدگی اور عدم جذباتیت کے ماحول میں ہونا چاہیے۔۔۔لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حرمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے جذباتیت کی بھی افادیت اور کئی تعمیری پہلو ہیں۔

پاکستان میں تحریک حرمت رسول کا ہیرو

جسے ہم نے فراموش کر دیا

پاکستان میں تحریک حرمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیرو اور بانی بلاشک وشبہ جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ ہیں۔ یہ قریشی صاحب ہیں جنہوں نے عدالتوں اور ایوانوں میں قانون توہین رسالت کی جنگ لڑی۔ پاکستان کے قانونی ڈھانچے میں یہ قانون شامل ہی ان کی کوششوں سے ہوا ہے اور انہی کی جدوجہد سے اس کی موجودہ صورت وجود میں آئی ہے۔

بدقسمتی سے ہم ایک ایسے دور میں رہ رہے ہیں جو تحزب اور پروپیگنڈے کا دور ہے۔ یہاں بڑا وہی ہے جس کے بڑا ہونے کا پروپیگنڈا کرنے کے لیے اس کے پیروکاروں کی ایک جماعت موجود ہو یا جو اپنی بڑائی کا پروپیگنڈا کرنے کی خواہش اور وسائل رکھتا ہو۔ رہے مخلصین تو ان کے لیے گم نامی کا تحفہ ہے۔۔۔فطوبی للغرباء۔ اہل عشق کب نام ونمود کے متمنی ہوتے ہیں۔ فرمایا دنیا کے سب سے بڑے آدمی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہ اللہ کو وہ بندے بڑے پسند ہیں جو نیک ہوں لیکن مفلس وگم نام ہوں اور دنیوی جاہ وحشم سے محروم ہوں کہ آخرت میں کامیابی انہی کے لیے ہے (بخاری ومسلم)

اگر قوم زندہ ہوتی اور حکمرانوں کو عوام کے جذبات کا پاس ہوتا تو حکمرانوں کا فرض تھا کہ قریشی صاحب کو ان کی خدمات کی علامت کے طور پر پرائڈ آف پرفارمنس یا لائف اچیومنٹ ایوارڈ

دیا جاتا۔ ہم درخواست کرتے ہیں حرمت رسول ﷺ کی تحریک چلانے والوں سے کہ وہ قریشی صاحب کے اکرام اوران کی خدمات کی پذیرائی کا اہتمام کریں۔ اگرچہ قریشی صاحب اس سے مستغنی ہیں اور انہوں نے حرمت رسول ﷺ کے لیے ساری زندگی جو جدوجہد کی ہے وہ کسی ایوارڈ، معاوضے یا لالچ کے لیے نہیں کی۔۔۔ اور یقینا محسنین کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔

ہم قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ مندرجہ ذیل پتے پر جناب محمد اسماعیل قریشی صاحب کو شکریے اور مبارکباد کے خطوط، ای میل اور SMS بھیجیں:

محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ، 26 رچنا بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

فون: 0300-809 6178، ای میل: miqpk@yahoo.com

تعارف کتاب

’ناموسِ رسول اور قانونِ توہینِ رسالت‘

محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ صاحب کی کتاب ’ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت‘ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے جو اس موضوع کے سارے پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے نعیم صدیقی صاحب مرحوم نے اسے بجا طور پر اپنے موضوع پر ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) قرار دیا تھا۔

کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے اوراس کے شروع میں بہت سے نامور معاصرین کی تقاریظ ہیں۔ پہلے باب کا عنوان ’نام وناموس رسول ﷺ ہے‘۔ دوسرے باب ’قانون توہین رسالت‘ میں قرآن و حدیث، عہد صحابہ اور بعد کے ادوار میں اس قانون کے نفاذ اور فقہی آراء کا تذکرہ ہے۔ تیسرے باب ’توہین رسالت: جرم وسزا‘ میں اسلاف سے لے کر عہد حاضر تک جلیل القدر علماء کی آراء اور بعض ہم عصر ناقدین کا ذکر ہے۔ چوتھے باب میں ’قانون توہین رسالت: عالمی اور ملکی تناظر میں‘ بیان کیا گیا ہے جبکہ پانچویں باب میں مسلم اسپین میں قانون رسالت اور حقوق انسانی کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ فاضل مصنف نے چھٹے باب میں عالم اسلام کے شہیدان وشیدایان ناموس رسالت اور ساتویں باب

میں پاک و ہند کے چند شیدایان ناموس رسالت کا ذکر خیر کیا گیا ہے اور آٹھویں اور آخری باب میں دنیا بھر کی عدالتوں میں توہین رسالت کے حوالے سے پیش آنے والے مقدمات اور نظائر بیان کیے گئے ہیں۔ اس طرح توہین رسالت کے حوالے سے کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر مصنف نے سیر حاصل گفتگو نہ کی ہو۔ بالواسطہ طور پر کتاب میں مصنف کی اس جدوجہد کا تذکرہ بھی آ گیا ہے کہ توہین رسالت کا اسلامی قانون کس طرح پاکستان کے قانونی ڈھانچے کا حصہ بنا اور اس نے موجودہ شکل اختیار کی۔

کتاب الفیصل ناشرین نے بہترین گیٹ اپ میں شائع کی ہے اور ۴۲۲ صفحے کی کتاب کی قیمت ۴۵۰ روپے ہے۔ ہمارے پیش نظر کتاب کا چوتھا ایڈیشن ہے جو جنوری ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا ہے۔

فاضل مصنف نے انگریزی خوان طبقے کی ضرورت کے پیش نظر کتاب کا انگریزی ایڈیشن {Muhammad: The Messenger of God and the law of Blasphemy in Islam and the West} کے نام سے بھی تیار کیا ہے جسے نقوش پریس نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب محض اردو ترجمہ نہیں بلکہ انگریزی خواں طبقہ کی ذہنی سطح کے مطابق مواد کو از سر نو مرتب کیا گیا ہے۔

ربیع الاول کا پیغام علامہ احمد جاوید

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ایمان بالرسالت کا لازمی نتیجہ

دین کو اگر ایک خط یا لکیر کی صورت میں متصور کریں تو رسالت اور معاد اس کے دو سرے ہیں اور توحید مرکز۔ زندگی میں اللہ سے تعلق کی واحد اساس ایمان بر رسالت ہے اور بندگی کے بعد معاد اس تعلق کی بنیاد ہے۔ گویا توحید پر ایمان اور اس کا اقرار دنیاوی زندگی میں رسالت کی بناء پر استوار ہوتا ہے اور حیات بعد الموت میں یوم حساب پر۔ رسالت کا اصل مقصود اللہ سے تعلق کی صورت اور معنی کا حتمی تعین ہے یعنی بندگی اپنی سمت اور کمال کے تمام پہلوؤں میں جس سانچے یا نمونے کا لازمی تقاضا رکھتی ہے، رسول اس کو اول سے آخر تک پورا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے رسالت ایمان اور عمل کے

تمام حدود اور معانی اس طرح متعین کر دیتی ہے کہ اس میں کمی یا اضافہ بہر صورت اللہ سے دوری کا سبب اور نتیجہ بن جاتا ہے۔ عقیدۂ رسالت عقیدۂ توحید کے لازمی مظاہر میں سے اولین مظہر ہے اس لئے اس میں سمت اور پختگی کے حصول کی ایسی ہی فکر ہونی چاہئے جیسی کہ عقیدۂ توحید میں درکار ہے۔

ایمان کے اس انتہائی بنیادی تقاضے کی تکمیل کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں:

۱۔اتباع سنت ۲۔ختم نبوت کا صحیح تصور ۳۔تقلید کا صحیح تصور ۴۔احترام شریعت

یہاں ہم اتباع سنت پر کچھ روشنی ڈالیں گے:

اتباع سنت

اللہ پر ایمان کا عملی ثبوت اس کی اطاعت ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر ایمان کا عملی ثبوت آپ ﷺ کی اتباع ہے گو کہ آپ ﷺ کی اطاعت بھی اصول دین میں سے ہے لیکن اتباع کہہ کر ہم اس اطاعت کے دائرے کو وسیع کر دیتے ہیں۔ اتباع میں تمام امور اطاعت خود بخود شامل ہیں۔ اس کی مختصر سی تقسیم یہ ہے کہ دین ہمارے سامنے دو مقاصد رکھتا ہے: حصول نجات اور حصول کمال یعنی آخرت میں اصحاب الیمین میں داخل ہونا یا مقربین کی جماعت میں شامل ہونا۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت حصول نجات کی لازمی شرط ہے اور اتباع حصول کمال کی۔ اتباع کے تمام اجزاء ویسا وجود نہیں رکھتے جیسا کہ اطاعت کے تمام امور میں پایا جاتا ہے۔ ان کے اندر بندگی کو کمال تک پہنچانے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ ہم اتباع سنت کے ان دونوں درجات کو ملحوظ رکھیں گے اور آغاز اطاعت سے کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اسی طرح فرض اور غیر مشروط ہے جیسی کہ اللہ کی۔ اس وصف میں دونوں اطاعتوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہی وہ پہلو ہے جہاں یہ کہنا درست ہو جاتا ہے کہ قرآن اور سنت دین اور ہدایت کے دو مستقل بالذات اصول ہیں یعنی کسی چیز کا سنت ہونا ثابت ہو جائے تو اس پر قرآن سے سند لانے کو لازم قرار دینا ناجائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نفسِ رسالت میں قرآن جیسی ہی حجیت اور اتھارٹی رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کسی بات کو دینی حکم کے طور پر ارشاد فرما دیں تو اس پر یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے یا آپ ﷺ کی طرف سے۔ آپ ﷺ اپنی ذات میں شارع ہیں اور اس حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے اسلاف میں

سے بہت سے لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ اس خیال کی ٹیکنیکل تفصیل میں جائے بغیر ہم یہ بہر حال دیکھ سکتے ہیں کہ اس کے پیچھے آپ ﷺ کے شارع ہونے کی توجیہ کرنے کا جذبہ کارفرما تھا۔ ان حضرات کی ایک غرض اس سے یہ بھی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا آمر وحاکم ہونا یہاں بھی اپنی شان کے ساتھ ثابت اور واضح رہے۔ حقیقت حال کچھ بھی ہو یہ بات بہرصورت ظاہر ہے کہ دین میں واجب الاطاعت احکام کے دو قطعی مآخذ ہیں: قرآن اورسنت۔ اتباع سنت کو اطاعت رسول ﷺ کے معنی میں لیا جائے تو اس کا ایک دقیق قاعدہ یہ ہے کہ دین کو جو تواتر وتسلسل مطلوب ہے وہ فراہم ہو جاتا ہے کیونکہ واجب الاطاعت سنت محض مجموعۂ احکام نہیں ہے بلکہ ان احکام کی ایسی تعمیلات کا مجموعہ ہے جو خود حکم دینے والے سے ثابت اور صادر ہیں۔ بالفاظ دیگر سنت حکم اور تعمیل حکم دونوں کا مآخذ ہے۔ دین کیا ہے؟ یہی حکم اور تعمیل حکم ہی تو ہے۔ اگر سنت نہ ہو تو آدھا دین آگے منتقل ہونے کی صلاحیت کھو بیٹھے گا یعنی احکام منتقل ہوتے رہیں گے اور تعمیل احکام کی کوئی مستند صورت نہیں رہے گی۔ یہ بات فطری طور پر معلوم ہے کہ تعمیل احکام کی مستند صورتوں کے بغیر محض احکام کوئی معنی نہیں رکھتے۔ گویا اطاعت رسول کریم ﷺ اپنی غایت میں اطاعت الٰہیہ اور تعمیل احکام ہے۔ یہ تمام وجوہ اور صورتیں متعین اور مقرر کر دیتی ہے اور دین چونکہ نوے فیصد سے زیادہ تعمیل احکام ہی کا نام ہے لہٰذا یہ اطاعت بنیادی ترین فرائض میں سے ہے۔ ایسے فرائض میں سے جن کے بغیر دین کا دھندلا سا تصور بھی قائم نہیں کیا جا سکتا۔

س: کیا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کسی بھی پہلو سے اللہ کی اطاعت سے متصادم ہو سکتی ہے؟

ج: ہرگز نہیں! رسول ﷺ کی اطاعت اپنی اصل میں اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی ثابت شدہ حکم کسی قرآنی حکم سے مختلف ہو جائے۔ یہ اختلاف ہمارے فہم کے نقص کی وجہ سے ہے اصل میں نہیں۔ جن مواقع پر ایسا محسوس ہو وہاں قابل اعتماد علماء سے رہنمائی لینی چاہئے اور اپنی طرف سے فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ دور جدید میں بعض بڑے فتنے اور مسائل اس وجہ سے بھی پیدا ہوئے کہ بعض لوگوں نے اپنے ذہن کی نارسائی کو حکم بنا کر قرآن وسنت میں تطبیق کا نہایت نازک کام شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ سنت کے بعض ضروری اجزاء کے انکار کی صورت میں برآمد ہوا۔ رسول ﷺ کا عمل اللہ کے حکم کی واحد مراد ہے چاہے کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

یہ عقیدہ ہے اور اس عقیدے کو تمام مراحل میں ملحوظ رکھنا چاہئے اور قرآن کو نعوذ باللہ رسول ﷺ کی کمتری ثابت کرنے کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے۔ اس سے ایک فائدہ اور سامنے آیا کہ سنت کے بے شمار فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی موجودگی میں خودرائی کا دروازہ بند رہتا ہے۔ ہم جیسے ہی سنت کی طرف سے صرف نظر کرتے ہیں سب سے پہلے خودرائی سر اٹھاتی ہے کبھی قرآن کے نام پر اور کبھی عقل کی آڑ میں۔

س: بعض لوگوں نے چند اعمال و افعال کو واجب الاطاعت سنتیں قرار دے کر رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی کی دیگر تفصیلات کو دائرہ سنت سے خارج کر دیا ہے۔ یہ رویہ کہاں تک غلط یا درست ہے؟

ج: بعض علمی اور تجدیدی اغراض کی تکمیل کے لئے یہ رویہ ایک جواز رکھتا ہے اور اس کے شواہد شروع ہی سے ملتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے عملی معاملات کو سنت یعنی دین کی ایک واجب الاطاعت بنیاد سے خارج کر کے ان کی ہر نوع کی دینی وقعت و اہمیت سے انکار کرتا ہے تو اس رویے کو سراسر غلط اور خطرناک کہا جائے گا۔ رسول کریم ﷺ اپنی ذات اقدس کے ہر پہلو اور ہر وصف میں ہمارے لئے ایسے نمونۂ کمال ہیں کہ اگر آپ ﷺ کے بعض اطوار و افعال دین کے اعتقادی اور قانونی دھارے سے باہر بھی ہوں تو بھی ان کی تقدیس اور دینی اعتبار سے ان کے اکرام و احترام کو ملحوظ رکھنا ایمانی فرائض میں سے ہے۔ ان پہلوؤں کے واجب الاطاعت نہ ہونے کی آڑ لے کر انہیں معاذ اللہ فضول اور غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دینا کسی مسلمان سے متصور نہیں ہو سکتا۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے جن اجزاء کی اطاعت و اتباع ضروری نہیں ٹھہرائی گئی یا ان کی اتباع سے امت کو روک دیا گیا، تو یہ اللہ کی رحمت اور شفقت ہے، اسے ان کی ناقدری کا سبب نہیں بننے دینا چاہئے۔

مختصر یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہو جانے والی ہر شے اپنی نوع کی تمام دیگر اشیاء سے افضل اور قابل تعظیم ہے۔ وقت کا وہ حصہ جو آپ ﷺ پر گزرا، تمام زمانوں سے افضل ہے۔ زمین کا وہ ٹکڑا جو آپ ﷺ کا مسکن بنا، ساری کائنات سے مقدس ہے۔ اسی طرح جس لباس، جس خوراک کو آپ ﷺ نے پسند فرمایا، وہ دنیا بھر کے لباسوں اور خوراکوں سے زیادہ اچھے ہیں۔ غرض اس بات کو ذہن اور طبیعت کی پوری شدت سے ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ختمی مرتبت ﷺ کے بعض

معاملات تاریخ وتہذیب وغیرہ کے جبری تغیرات کی وجہ سے آگے نہیں چلے ان پر اصرار کرنا مقام رسالت کے مرتبہ ومقصد سے ناواقفیت کی دلیل ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہونا چاہئے کہ دنیا میں انسانی پیش رفت سے پیدا ہونے والے تمدنی اوضاع کو آپ ﷺ کے دورمبارک کے اطوار پر اس طرح ترجیح دی جائے کہ اوپر بیان کردہ اصول پر ضرب لگے۔ یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ آپ ﷺ کے منسوبات خواہ بالکل مقامی اور تہذیبی ہوں، انہیں قابل احترام جاننا اور مرغوب رکھنا مسلمان کے نفس ایمانی کا بہت بڑا تقاضا ہے۔ یہ نہ ہوتو آپ ﷺ کی طلب فرمودہ محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد ہم ایک اور رویے کی نشاندہی کرنا چاہیں گے جوصورتاً سوال میں مذکور رویے سے مختلف ہے مگر نتائج کے اعتبار سے اتنا ہی غلط اور مضر۔ وہ رویہ دیندار طبقات کے ایک حصے میں شدت سے رائج ہے۔ ان حضرات کی نظر میں وہ معاملات بھی سنت کا درجہ رکھتے ہیں جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے دین کہہ کر پیش نہیں فرمایا مثلاً لباس، غذا وغیرہ۔ یہ لوگ خاص انداز کے رہن سہن اور لباس وغیرہ کی پابندی اس طرح کرتے اور کرواتے ہیں کہ گویا ان کے ترک کرنے پر آخرت میں پرسش ہوگی۔ معاف کیجئے گا یہ سخت احمقانہ رویہ ہے اور خود رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے متصادم ہے۔ اس کو غلبۂ محبت بھی نہیں کہہ سکتے۔ رسول اللہ ﷺ سے جومحبت فرض ہے اس میں نادانی اور مصنوعی جذبات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اتباع سنت کے نام پر پیدا ہونے والا یہ رویہ اپنی اصل میں اتباع نہیں، انحراف ہے۔ اس پر زور دینے سے اتباع رسول اللہ ﷺ کا حقیقی مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں بہت سی ذہنی، روحانی اور نفسیاتی مشکلات جنم لیتی ہیں جو آدمی کے دینی کردار کو مجروح کر دیتی ہیں۔

مختصر یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے متعلق زندگی کے تمام اوضاع و اطوار مسلمان کے لئے لازماً موجب کشش وتعظیم ہیں لیکن جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے زندگی گزارنے کے بیشتر مروجہ اسالیب کو جوں کا توں قبول فرما لیا تھا مثلاً لباس وغیرہ۔ ان اسالیب میں رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے ایک تقدس یقینا پیدا ہوگا لیکن اپنی اصل میں وہ سب چیزیں ایک مخصوص معاشرت کا حصہ ہیں جن کا رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے اس طرح کا ناگزیر تعلق نہیں ہے کہ انہیں

اختیار نہ کرنے سے کوئی دینی نقص واقع ہو جائے۔ اتباع کا یہ موضوع نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلقین پر عمل کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرنا اور دین پر خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح عمل فرمایا ہے اس طریق عمل کی نقل کرنا، یہ اتباع ہے۔ اگر یہ اصول پیش نظر نہ رہے تو آدمی امتی کا مطلوبہ کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری تہذیب کے بھی مؤسس ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تہذیبی و معاشرتی اسوے کو ایک بے لچک قانونی رویے کی آڑ لے کر نظر انداز کر دینا گویا دینداری کے تسلسل اور کمال کو مجروح کرنا ہے۔ ہماری نفسیاتی ساخت اور تہذیبی بناوٹ کو کسی تمدنی یا تاریخی مجبوری کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمومی پسند ناپسند اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنائی ہوئی معاشرت سے بالکل مختلف نہیں ہونا چاہئے۔ معاشرت وغیرہ کا پورا سانچہ تصور انسان پر بنتا ہے۔ مسلمانوں کا تصور انسان اپنی تمام تر تفصیلات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر استوار ہے، خواہ اس ذات کو ہم رسالت کے تناظر میں دیکھیں یا خالص انسانیت کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں سطحوں پر نمونۂ کمال ہیں۔ اس لئے ہماری نفسیات اور تہذیب دونوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے حوالے سے مرتب ہونا چاہئے۔ دور جدید کے بعض متجددین اس اصول کو اہمیت نہ دینے کی وجہ سے دین کے ساتھ وابستگی کی بیشتر شرائط کو فراموش کر دیتے ہیں نتیجتاً دینداری کے اکثر اصول عمل میں آنے سے رہ جاتے ہیں۔

تفہیم مغرب

ڈاکٹر نعمان ندوی

مسلم ترقی اور سربلندی کے لیے سائنس و ٹیکنالوجی غیر اہم ہے

ترقی، سائنس، ارتقاء اور معیار زندگی کی بلندی کے مفروضات کی تلاش میں سرگرداں ہونے سے قبل اس سوال پر نہایت گہرے غور وفکر کی ضرورت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے کس موڑ پر تشریف لائے۔ جب آپؐ دنیا میں آئے تو اس دنیا کا کیا نقشہ تھا؟ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نبوت کے لیے جس خطے کا انتخاب کیا اس کی جغرافیائی اہمیت وحیثیت کیا تھی؟

مکہ مکرمہ قدیم اور جدید جغرافیہ دانوں کی تحقیق کے مطابق دنیا کے وسط میں واقع ہے۔ گویا کائنات کی مرکزی ہستی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کائنات کے مرکز میں مبعوث کیا گیا، اس بعثت کے ذریعے خانہ کعبہ کی مرکزیت کو دنیا کے لیے ایک مرتبہ پھر ابد تک قائم کر دیا گیا کہ اب پوری دنیا کو رہتی دنیا تک اس مرکز خداوندی اور اس مرکزی ہستی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دائمی تعلق قائم کرنا ہے جو تمام عالمین کے لیے رحمت اور **کافۃ للناس** ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پوری دنیا کے لیے آخری، حتمی، قطعی اور ابدی پیغام ہے۔

جزیرۃ العرب کی جغرافیائی اہمیت یہ ہے کہ دنیا کے تین براعظم اس سے ملتے ہیں۔ حج کی عبادت کے باعث دنیا بھر کے تجارتی قافلے جزیرۃ العرب کے ذریعے اس سرزمین سے، جو نہ صرف مرکز کائنات [Centre of Universe] بلکہ ازل سے ابد تک کے لیے مرکز رشد و ہدایت بھی ہے، تجارت، کاروبار حج اور اسفار کے ذریعے مسلسل رابطے میں رہتے تھے اور پیغام رسالت مآبؐ ان قافلوں کے ذریعے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں فطری طریقے سے پہنچ سکتا تھا۔ یہ پیغام لے جانے والے پیغام رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف زبانی ترسیل نہ کرتے بلکہ پیغام دینے والے پیام بر کی سیرت اور شخصیت کے گوشوں سے بھی ذاتی طور پر واقف ہوتے تھے کیونکہ وہ قرآنِ مجسم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جزیرۃ العرب کے گرد وغبار، در و دیوار، دیار وامصار، کوچہ و بازار اور نقش ونگار میں ایک نورانی وروحانی وجود کے طور پر چلتا پھرتا ہوا پاتے تھے۔ ایک لفظی قرآن تیس سپاروں میں بند تھا اور دوسرا عملی قرآن مکہ کے گلی کوچوں میں شب وروز ان کے درمیان موجود تھا جس کے ایمان کی حرارت سے پتھر دل پگھل رہے تھے اور صحرا میں موجود ریت کے ذروں کو بھی شعور حاصل ہو رہا تھا۔ آپؐ کی سیرت کے گوشے ان کے لیے مہر جہاں تاب کی کرنوں کی طرح روشن تھے۔ یہ پیغام رسانی عین الیقین کے درجے میں ہوتی تھی۔

عالم عرب کے ایک جانب یونانی فلسفے، سائنس، منطق، تہذیب وتمدن کے آثار محفوظ تھے تو

دوسری جانب ایران، چین، ہند اور روم کی تہذیبیں اپنے علوم وفنون کی پوری آب وتاب کے ساتھ زندہ تھیں۔ فلسفہ، سائنس، ٹیکنالوجی اور علوم عقلیہ میں جزیرۃ العرب ان اقوام سے مسابقت کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، جس قوم، بنی اسماعیل، میں آپؐ تشریف لائے وہ اُمّیّون تھے، صرف اہل کتاب اس خطے میں لکھنے پڑھنے سے واقف تھے، اس کے برعکس مدارس اور جامعات کے ذریعے تعلیم یونان، ہند، چین اور ایران کے خطوں میں عام تھی۔ ان خطوں سے متصل ماضی کی مٹی ہوئی تہذیبیں ہڑپہ، موہنجودڑو، ٹیکسلا کے آثار بھی اس بات کی یاددہانی کراتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد سے پہلے کی عظیم الشان قوموں اور ان کے عہد میں موجود مخالف تہذیب وتمدن کے علوم عقلیہ [Natural Philosophy, Science & Technology] سے کچھ عطا نہیں کیا گیا۔

چین، ہند اور روم، یونان اور ایران کی عمارات کے مقابلے میں مدینۃ النبی میں کوئی ایک عمارت عہدِ رسالت میں تو کیا اس کے بعد بھی آج تک تعمیر نہیں کی جاسکی تو آخر کیوں؟ انیسویں صدی کے آخر تک مکہ معظّمہ میں فراہمی آب ونکاسی فضلات [Water and Drainage System] کا کوئی باقاعدہ نظام موجود نہیں تھا، جبکہ رسالت مآب ﷺ کی آمد سے تین ہزار سال پہلے کی تہذیب موہنجودڑو میں نکاسیٔ غلاظت کا زبردست نظام موجود تھا۔ مدینۃ النبی میں اس طرح کی سڑکیں، گلیاں، بازار، مکان، سماعت گاہیں [Auditorium] اور یونیورسٹیاں، موجود نہ تھیں جو رسالت مآب ﷺ کی آمد سے پہلے موہنجودڑو، ہڑپہ، ٹیکسلا، یونان اور روم وغیرہ کی تہذیبوں میں موجود تھیں۔ اتنی عظیم الشان تہذیبوں، قوموں اور تمدنوں کے مقابلے میں جو ہر قسم کے علوم وفنون سے آراستہ تھیں ایک ایسی ہستی کو کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا جو نہ لکھنا جانتی تھی نہ پڑھنا جانتی تھی۔ اے نبی ﷺ! آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے: **وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ** [۲۹:۴۸]۔ ایسی ہستی کا انتخاب کرنے کی حکمت مالک الملک کے سوا کون جان سکتا تھا؟ عرب میں یہودی بھی لکھنے کے فن سے واقف تھے مگر اس فن کی خالق کائنات کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی کہ یہودی اس کتاب کو بھلا چکے تھے جو زندگی کا سرچشمہ تھی لہٰذا اس سرچشمے سے لاتعلقی کے بعد کوئی علم اور کوئی ہنر پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا، رسالت مآب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں امی ہونے کی صفت کو عیب کے بجائے اس ہستی کے حق میں ہنر اور کمال قرار دیا گیا اور قرآن نے ''امی'' کے لقب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کو خود پکارا۔

یہ پکار یہ اعلان اس امر کا استعارہ ہے کہ اے اہل عالم! تمھاری نظر میں جہل اور علم کے دائرے، اس کے اصول و منہاج، پیمانے، اور معیارات، اس کے اندازے، اس کو پرکھنے کے تمام طریقے اور اس کی تمام تعریفیں بالکل غلط ہیں، تم عظیم الشان عمارتوں، کتابوں، کتب خانوں، اداروں، مدرسوں، فلسفوں، سائنس و منطق کو علم سمجھتے ہو مگر یہ کیسا علم و عقل اور کیسی روشنی ہے کہ تم حقیقت کلی اور مالک حقیقی کی معرفت سے محروم ہو، وہ علم جو تمھیں حقیقت الحقائق سے وابستہ نہ کر سکے وہ قیامت تک علم نہیں جہل ہے۔ علم وہ ہے جو تمھیں اپنے خالق کی معرفت سے آگاہ کرے اور اپنی آخرت سنوارنے کے طریقے بتائے لہٰذا اصلاً اُمی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں اہل یونان روم، ہند، چین و ایران ہیں۔ جو ہدایت کی روشنی سے محروم ہیں جو اپنے مالک حقیقی کو پہچاننے سے قاصر ہیں جو اس نور سے محروم ہو اس سے بڑا محروم کون ہوسکتا ہے۔

امی ہونے کے باوجود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر علم کس ذریعے سے نازل کیا گیا؟ کیا قلم سے؟ جس کی قسم سورۃ علق میں کھائی گئی، کیا کتاب سے؟ جو اس عہد کے تمام بڑے تمدنوں میں موجود تھی؟ کیا قرطاس سے؟ جو اس عہد کے لوگوں کے لیے اجنبی نہ تھا؟ بلکہ علم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل کیا گیا کہ یہی قلب علم کا اصل سرچشمہ ہے، انبیا اسی قلب کو درست کرنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں جس میں باطل نقب لگاتا رہتا ہے: '' ان سے کہو کہ جبرئیل نے اللہ ہی کے اذن سے یہ قرآن آپ کے قلب پر نازل کیا ہے'': **قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ** [۲:۹۷] اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے وسیع فرمادیا اور آپ پر نبوت کا اختتام کردیا آپ کافۃ للناس ہیں، آپ کی ہستی کو اللہ تعالیٰ نے ابد تک کے انسانوں کی زندگی سنوارنے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث فرمایا: **هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖ□ ، □ نَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِ □ نْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** [۲:۶۲] ان زمانوں کے لیے بھی جو سائنس و ٹیکنالوجی میں سب سے آگے ہونے کا دعویٰ کریں، قرآن نے واضح کردیا کہ اور [اس رسول کی بعثت] ان دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی ان

سے نہیں ملے ہیں: وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ [٦٢:٣]۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے عہد کے عظیم الشان تمدنوں کے سامنے کھڑا کر کے دنیا کو قیامت تک کے لیے بتا دیا گیا کہ اصل علم و دانش اور روشنی و نور وحی الٰہی اور علوم نقلیہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس روشنی، نور اور دانش سے محروم معاشرے مادی طور پر خواہ کتنے ہی عظیم الشان ہوں وہ تاریک ترین اور جہالت میں غرق ہیں اور ان کو جہالت سے نکال کر روشنی میں لانا امت وسط کی بنیادی ذمے داری ہے، جو صبح قیامت تک برقرار رہے گی۔ رسالت مآبؐ کو قرآن نے سراج منیر کے نام سے پکارا اس لیے کہ **العلم، الکتاب** آ جانے کے بعد روشنی اور علم آ جاتا ہے اور ''امیت'' باقی نہیں رہتی لہٰذا قرآن نے اُمّی ان کو کہا جو اپنی قوم کے ایک بے مثال فرد پر روشنی، نور، فرقان، میزان، فصل الخطاب، حُکم، لُب، ضیاء، ذکر، حکمت، خیر کثیر اور العلم نازل ہونے کے باوجود اس سے دانستہ محروم رہے، جو الکتاب کے نزول کے باوجود اس نور سے پھوٹنے والے علم سے بے بہرہ تھے۔ ان میں ایک دوسرا گروہ امیوں کا ہے جو کتاب کا تو علم نہیں رکھتے بس اپنی بے بنیاد آرزوؤں اور امیدوں کو لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان پر چلے جا رہے ہیں: وَ مِنۡهُمۡ اُمِّیُّوۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ [٧٨:٢] کتاب ہدایت سے محرومی اور العلم کے مقابلے میں وہم و گمان کی پیروی اور بے بنیاد امیدوں و آرزوؤں کے لیے سرگرمی ''امیت'' ہے اور اسے ترک کرنا نور، روشنی، برہان، فرقان، عرفان، ایمان، سراج اور چراغ ہے۔ اس روشنی کا نتیجہ وہ عظمت وشوکت، رعب و دبدبہ، ہیبت و فضیلت اور اعزاز و اکرام، ہے جو حامل وحی گروہ کو روئے زمین پر عطا کی جاتی ہے: ''مگر دیکھ لو دنیا ہی میں ہم نے ایک گروہ کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت میں اس کے درجے اور بھی زیادہ ہوں گے اور اس کی فضیلت اور بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوگی'': كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَ هٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا ... اُنۡظُرۡ كَیۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ وَ لَلۡاٰخِرَةُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكۡبَرُ تَفۡضِیۡلًا [١٧: ٢١، ٢٠] اس فضیلت کا ایک اثر قرآن نے یہ بھی بیان کیا کہ اس گروہ کے کردار، اقبال اور گفتار کے باعث اللہ تعالیٰ اہل عالم کے دلوں میں ان کے لئے محبت پیدا فرما دیں گے: الرحمان وداً [٩٦:١٩] یہ عزت، محبت، برتری اور فضیلت سائنس ٹیکنالوجی کی بنیاد پر نہیں علم صحیح اور اعمال صالحہ کے صلے میں عطا ہوگی۔ اس محبت کا سبب ان کی اخلاقی و روحانی ایمانی فضیلت ہوگی اور کچھ نہیں۔ قرآن کے الفاظ میں یقینا جو لوگ

ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمان ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کلام کو ہم نے آسان کر کے تمھاری زبان میں اس لیے نازل کیا ہے کہ تم پرہیزگاروں کو خوش خبری دے دو: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا . . . فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِہٖ قَوْمًا لُّدًّا [۱۹: ۹۶، ۹۷] حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنے رب سے اپنی اولاد کے لیے دعا فرماتے ہوئے یہ آرزو کی تھی کہ ’’لہٰذا آپ لوگوں کے دلوں کو ان [اپنی اولاد] کا مشتاق بنا دیجیے اور انھیں کھانے کو پھل دیئے۔ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَ ارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ [۱۴: ۳۷] یہ مرتبہ اور فضیلت تاریخ کے کسی بھی دور میں، کسی بھی مرحلے پر، کسی بھی وقت حاصل کی جا سکتی ہے لیکن جدیدیت کے زیر اثر عہد حاضر کے بعض راسخ العقیدہ مسلمان حلقے بھی اب اس فضیلت کے کچھ زیادہ قائل نہیں رہے ہیں، ان کے خیال میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے بغیر فضیلت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور کم از کم عصر حاضر میں صرف اخلاق اور کردار پیدا کرنے سے کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا، بالفاظِ دیگر امت کی علمیت اور مابعد الطبیعیات رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہی ہے۔ تو کیا سائنس و ٹیکنالوجی کا انکار کر دیا جائے؟ سوال انکار و اقرار کا نہیں اصول کا ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو اس لیے تباہ نہیں کیا کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئی تھی بلکہ اس لیے تباہ کیا کہ وہ گناہ گار زندگی میں بہت آگے بڑھ گئی تھی اور پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھی اور کسی قوم کو عروج اس لیے عطا نہیں فرمایا کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں اپنی مقابل تہذیب سے بڑھ گئی تھی۔ استخلاف فی الارض پاکیزگئ قلب و نظر سے مشروط کیا گیا ہے، سائنس و ٹیکنالوجی زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ کے درجے میں ہے لیکن اب امت صرف اس کے حصول کو واحد فریضہ دینی تصور کر رہی ہے۔ فرض کفایہ نے افضل ترین فرض کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ یہ ہے فکر و نظر میں تبدیلی کہ فضیلت، برتری، کامیابی اور استخلاف کا واحد سبب محض سائنس و ٹیکنالوجی کو سمجھ لیا گیا ہے۔ پوری امت اسی کی تعلیم و تحصیل کو افضل ترین علم تصور کر رہی ہے لیکن اس کے باوجود اس کے زوال کی رات مزید گہری ہو رہی ہے۔ امید کا مرکز العلم اور الکتاب نہیں بلکہ وہ علم ہو گیا ہے جو مغرب نے تخلیق کیا ہے اور ہم صرف اسی علم کی آرزو سے تبدیلی کی صبح کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ وہ بنیادی تغیر، رویہ اور سوچ ہے جس نے امت کے لیے بلندی کے تمام راستے مسدود و محدود کر دیئے

ہیں۔قرآن میں عروج وزوال سے متعلق آیات میں ایک آیت بھی ایسی نہیں بتائی جاسکتی جو عروج کو صرف اور صرف سائنس وٹیکنالوجی کے حصول سے مشروط کرتی ہو، نہ ہی استخلاف کی کسی آیت میں کسی نبی کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ زمین میں اقتدار کے بعد سائنس وٹیکنالوجی کے علم کی تدریس وتعلیم کو اولیت دیں گے، ہر جگہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے۔ظاہر ہے جس علم کو جو مرتبہ ومقام دیا گیا ہے اس مرتبے ومقام سے اسے ہٹا دیا جائے تو یہ عدل نہیں ظلم ہے اس ظلم کے اقرار اور اس پر تین سو برس سے مسلسل اصرار کے باوجود امت کا حال کیا ہے؟ ملیشیا، ترکی، ایران، سوڈان، مصر اور پاکستان تمام تر دعووں کے باوجود نہ دین میں آگے ہیں نہ دنیا میں شکست کی رات مسلسل طویل ہورہی ہے۔

قرآن حکیم نے عروج وزوال کے قانون میں کہیں سائنس وٹکنالوجی کو زوال یا عروج کا سبب قرار نہیں دیا۔ اسی لیے اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے[۴۹:۱۳] سائنس داں اور ٹیکنالوجسٹ ہونا کوئی عظمت نہیں۔اسی لیے صحابہ کرام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رکوع وسجود میں اللہ کے فضل کی تلاش کے لیے سرگرداں رہتے تھے: **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِ□ نْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا**[۴۸:۲۹] تسخیر کائنات، تسخیر ارض اور سائنس وٹکنالوجی کی تلاش میں انھیں سرگرداں نہیں پایا گیا اسی لیے قرآن نے بتایا کہ گناہ عظیم پر اصرار کرنے والے جہنم میں ہوں گے: **اِ□ نَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ ... وَکَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ**[۵۶:۴۶، ۴۵] سائنس وٹیکنالوجی نہ جاننے والوں یا اس میں پیچھے رہ جانے والوں کو قرآن کی کسی ایک آیت میں بھی جہنم کی وعید نہیں سنائی گئی، آخر کیوں؟ حضرت ابراہیم کو ایک ذی علم لڑکے کی پیدائش کا مژدہ سنایا گیا: **فَاَوْجَسَ مِنْھُمْ خِیْفَۃً قَالُوْا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوْہُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ** [۵۱:۲۸] تو اس علم سے مراد سائنس وٹیکنالوجی کا علم نہیں خالق کائنات کی معرفت اور آخرت کی حقیقت کا علم مراد تھا۔حضرت یحییٰؑ کو اللہ نے بچپن میں حکم سے نوازا **یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا**[۱۹:۱۲] جبکہ حکم کی یہ صفت دیگر انبیاء کو نبوت

کے ساتھ عطا کی گئی یہ حکم کیا سائنس وٹیکنالوجی تھا؟

کفار ومشرکین کی تباہی کا سبب یہ تھا کہ ان کے سامنے ان کے رب کی آیات میں سے جو آیت بھی آتی ہے یہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے: وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ [۳۶:۴۶] ایسے تمام افراد اور تمام قوموں پر اللہ کا عذاب ان کے گناہوں کے باعث نازل ہوا: فکلا اخذنا بذنبہ [۲۹:۴۰] اور مومنین کی کامیابی کا سبب یہ تھا کہ وہ گناہگار زندگی سے نفرت کرتے تھے پاکیزہ زندگی بسر کرتے اور اس دنیا کو گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ذمے دار بنائے گئے اس لیے جو آخرت کا خواہش مند ہو اور اس کے لیے سعی کرے جیسی کہ اس کے لئے سعی کرنی چاہیے اور ہو وہ مومن تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی [۱۷:۱۹] اللہ اپنے بندوں کا نہایت خیرخواہ ہے: يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ [۳:۳۰] وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا: مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا [۱۸:۵۱]، اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ [۹:۷۰]۔ اور تمھارا رب بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے اگر وہ ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑنا چاہتا تو ان پر فورا عذاب بھیج دیتا فَاَتْبَعَ سَبَبًا [۱۸:۸۵ الکہف] اسی لیے اس نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے لیے لازم کرلیا ہے [۶:۵۳] اس رحمت کے باعث وہ فوراً سزا نہیں دیتا، اگر وہ کہیں لوگوں کو ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑتا تو زمین کی پشت پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک معین مدت تک مہلت دے رہا ہے [۳۵:۴۵] لہٰذا وہ انسان کو مہلت عمر دیتا ہے کہ وہ عہد الست کو یاد کرکے اپنے خالق کی پناہ میں آجائے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو سبق لے سکتا تھا [۳۵:۳۷] انسان نے وہ قرض ادا نہیں کیا جس کا اللہ نے اسے حکم دیا تھا: كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ [۸۰:۲۳] یعنی بھلائیوں کی طرف دوڑنے والے نیکیوں میں سبقت کرنے والے: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ هُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ [۲۳:۶۱] اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے لیے عرصۂ حیات کا تعین اس لیے فرمایا کہ ان کے اندر جو خیر مخفی ہے اس کو ظاہر ہونے کا موقع عطا فرمائے اور یہ عمر اس خیر کے ظہور میں آنے کے لیے بہت

کافی ہے لیکن یہ انسان عہد الست کو یاد کرنے کے بجائے ویسی ہی بحثوں میں پڑ گئے جیسی بحثوں میں پچھلی گمراہ قوموں کے لوگ پڑے تھے: كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ [۶۹:۹]

مومنین اس دنیا کو عیش کی بجائے مشقّت، آزمائش اور امتحان کی جگہ سمجھتے تھے کیونکہ انسان کو مشقّت میں پیدا کیا گیا ہے [۹۰:۴] اور عیش صرف جنت میں میسر ہوگا جہاں ہر خواہش پوری ہوگی [۱۶:۲۵] جو کچھ [جنت میں] وہ طلب کریں گے ان کے لیے حاضر ہے [۵۷:۳۶] اور جہاں کسی قسم کی مشقت ہوگی نہ تکان لاحق ہوگی] [۱۵:۴۸، ۱۵:۴۸، ۳۵:۳۵] لہٰذا کفار دنیا میں عیش وعشرت تلاش کرتے ہیں مومن اسے جنت کے حصول تک ملتوی کردیتے ہیں اور سادہ زندگی کو اپنے پیغمبر کی اتباع میں اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتے ہیں۔ کفار کو جب اقتدار ملتا ہے تو وہ اس زمین کو جنت ارضی بنانا چاہتے ہیں ان کی دوڑ دھوپ دنیا سے زیادہ سے زیادہ تمتع پر مرکوز رہتی ہے اور مومنین استخلاف فی الارض کی نعمت ملنے کے بعد نماز، زکوٰۃ کا نظام قائم کرتے اور معروف کی تلقین ومنکر کا خاتمہ کرتے ہیں: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ [۲۲:۴۱] وہ متاع دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے [۱۵:۸۸، ۲۰:۱۳۱، ۱۸:۲۷] نماز انھیں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے کہ یہ دین کا ستون ہے۔ اور کفر اور اسلام میں حد فاصل ہے اس لیے قرآن میں آتا ہے ''اور جہاں بھی تم ہو اسی [مسجد حرام] کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو تاکہ لوگوں کو تمھارے خلاف کوئی حجت نہ ملے: وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِيْ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ [۲:۱۵۰] یہ آیت کفر و اسلام میں حد کا تعین کرتی ہے ارشاد ہے اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو: وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى [۲۰:۱۳۲] مومنین کو تجارت خرید وفروخت اللہ کی یاد اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِ ☐ قَامِ

الصَّلٰوۃِ وَاِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ [۲۴:۳۷]۔نماز کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہے اس لیے سورۂ توبہ میں مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئ تو یہ بھی کہا گیا کہ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کردیں تو انھیں چھوڑ دو: فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡہُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡہُمۡ وَ خُذُوۡہُمۡ وَ احۡصُرُوۡہُمۡ وَ اقۡعُدُوۡا لَہُمۡ کُلَّ مَرۡصَدٍ فَاِنۡ تَابُوۡا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوۡا سَبِیۡلَہُمۡ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ [۹:۵]

نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی مخلوق کا حق ہے ان دونوں حقوق کے بغیر ایمان قابل قبول نہیں ہے، اسی لیے حضرت ابوبکرؓ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جنگ کی اور فرمایا کہ اگر یہ اونٹ کی رسی کے برابر زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کریں گے تو ان کے خلاف جنگ ہوگی اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں ہوسکتی۔

دنیا بھر میں کروڑوں مسلمان بھوک و افلاس سے مجبور ہیں فقر و فاقہ لاکھوں مسلمانوں کو کفر کے قریب لے گیا ہے لیکن ان خوشحال مسلمانوں کو ان بے کس و بے بس مجبور و بے نوا مسلمانوں کی کوئی فکر نہیں دنیا دار علما نے انھیں یہ سبق سکھادیا ہے کہ خوب کھانے اور اچھا پہننے میں کوئی حرج نہیں: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔کیا قرآن کی اس آیت کا محل یہی ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم بھوک سے مر رہے ہوں اور یہ اللہ کی نعمتوں کی شکر گزاری کے نام پر عیش و عشرت میں مصروف ہوں؟ پورے عالم اسلام کا یہی حال ہے بھارت کے مسلمان جو سب سے زیادہ اذیت، تکلیف اور مصیبت میں ہیں ان کا حال اس غلامی میں یہ ہے کہ جامع مسجد دہلی کے صحن میں پتنگیں اڑائی اور لڑائی جاتی ہیں اور بو کاٹا کے نعرے لگا کر مسلم پتنگ باز ایک دوسرے پر جھپٹتے اور دوڑتے پھرتے ہیں۔

ممتاز محقق ڈاکٹر عارف نوشاہی اپنے سفر نامے ''ارمغان ہندوستان'' میں لکھتے ہیں: ''مسجد جمالی کے باغیچے یعنی صحن کے گھاس پر بیٹھے تین آدمی تاش کھیل رہے تھے میں جوتے اتار کر مسجد میں داخل ہوا تو آگے دالان میں ایک بھنگی جوتوں سمیت مسجد کی صفائی کررہا تھا''۔ دہلی کی جامع مسجد کے بارے میں ان کے تاثرات دیکھیئے: مسجد کے صحن میں اتنے نمازی اور سیاح نہ تھے جتنے پتنگ باز لڑکے پتنگ بازی میں مصروف کوئی انھیں روکنے والا نہ تھا، لگتا ہے ہندوستانی تاریخی مسجد یں تاش بازی اور پتنگ بازی کے لیے رہ گئی ہیں۔ [تفصیلات کے لیے ارمغان ہندوستان سفر نامہ عارف نوشاہی اور خلاصے کے لیے ماہنامہ الزبیر شمارہ ۴۔۲۰۰۸ء ص ۱۶۵]۔ خدانخواستہ غیر مسلم اگر مساجد

کے صحن، آنگن باغ میں پتنگ اڑاتے نظر آتے تو حفاظت دین کے نام پر ان کے خلاف فساد برپا ہوجاتا لیکن خود جو چاہے کریں یہ وہ رویہ ہے جو مسلم قوم پرستی کے بطن سے جنم لیتا ہے، عجیب واقعہ ہے کہ ایک ہندو قبلہ رخ ہوکر حوائج ضروریہ سے فراغت میں مصروف تھا ایک مسلمان نے دیکھا تو دینی حمیت کے باعث اس پر شدید ناراضگی، غصے، رنج اور دکھ کا اظہار کیا، ہندو شرمندہ ہوا معذرت کی کہ آپ کی دل آزاری ہوئی کچھ دنوں بعد ہندو نے اسی مسلمان کو یہی عمل قبلہ رخ ہوکر دہراتے دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ آپ نے منع کیا تھا پھر یہ عمل آپ کے لیے کیسے روا ہوگیا؟ جواب ملا یہ کعبہ ہمارا ہے ہم اس کے ساتھ جو چاہیں کریں تم غیر مسلم ہو تم نہیں کرسکتے۔ امت مسلمہ ان دنوں اسی افراط و تفریط کا شکار ہے۔ اس کی بنیادی وجہ علم اور تربیت کی شدید کمی اور بعض ہنگامی اسلامی تحریکوں کی روحانیت سے عاری جذباتیت اور شدت پسندی ہے۔ جس کے باعث مسلم قوم پرستی کا شجر مسلسل برگ و بار لا رہا ہے۔

رسالت مآبؐ کو حکم دیا گیا ''اگر ہم چاہتے تو ایک ایک بستی میں ایک ایک خبردار کرنے والا اٹھا کھڑا کرتے پس اے نبی کافروں کی بات ہرگز نہ مانیے اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کیجیے: جهاداً كبير **وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ... فَلاَ تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا** [الفرقان ۵۲-۵۱] ان آیات میں بتا دیا گیا کہ قیامت تک کے لیے سرچشمۂ روشنی کے طور پر کل دنیا کے لیے رسالت مآبؐ کافی ہیں جس طرح ایک سورج سارے جہاں کے لیے کافی ہوتا ہے ؎

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں   اک طلوعِ آفتاب دشت و چمن سحر سحر

اہل کفر سے جہاد کے لیے رسالت مآبؐ کو علوم عقلیہ اور آلات سائنس کے بجائے قرآن دیا گیا اور کہا گیا کہ اس کو لے کر کفار سے زبردست جہاد کرو۔ عہد حاضر کا مسلمان اس قرآن کو ایک طرف رکھ کر جہاد کا علمبردار ہے۔ روز قیامت اس امت سے اللہ تعالیٰ یہ سوال کریں گے کہ اس نے اس ذمہ داری کو کس درجے میں پورا کیا۔

اسی لیے جمعہ کے خطبوں میں دنیا بھر کی مساجد میں یہ حدیث پڑھی جاتی ہے کہ: ''**خیر القرون قرنی**'' سب سے بہترین زمانہ عہد رسالت کا زمانہ ہے اور سب سے بہترین لوگ: **السابقون الاولون** ہیں جب ہم کہتے ہیں کہ خیر القرون سب سے بہتر زمانہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ